یادگار ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ عرش آشیانی

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

زمانہ

جلد ۵ نمبر ۴ — اکتوبر ۱۹۰۵ء — سلسلہ جدید

دیا نرائن نگم بی اے۔ ایڈیٹر

نامی پریس کانپور میں طبع ہو کر

دفتر زمانہ نیا چوک کانپور سے شائع ہوا

فہرست مضامین

تصاویر۔ ۱ شہنشاہ اکبر۔ ۲ مقبرۂ اکبر۔ ۳ انگوری باغ۔ ۴ راجہ مان سنگھ۔ ۵ قصر جودھا بائی۔ ۶ موتی مسجد۔

نظم

AKBAR

بیادگار ابوالمظفر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ عرش آشیانی

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

زمانہ

سلسلۂ جدید جلد نمبر ۵ نمبر ۴

دُعای اکبر

"یا خدا جہان دیکھتا ہون سب تیری ہی تلاش مین ہین"
"اور جس سے سُنتا ہون سب تیرا ہی ذکر کرتے ہین"
"کافر اور مسلمان تیرے ہی راستے مین دوڑنے"
"والے اور وحدہٗ لاشریک کہنے والے ہین - اگر"
"مسجد ہے تو اُسمین تجھی کو پکارتے ہین اور اگر بتخانہ ہی"

" تو تیرے ہی شوق مین سنکھ بجاتے ہین - کبھی مندر "
" مین بیٹھتا ہون کبھی مسجد مین - غرضکہ تجھکو گھر گھر تلاش "
" کرتا پھرتا ہون - اگرچہ تیرے خاص لوگون کو کافر "
" اور مسلمان سے کوئی کام نہین اور اِن دونون کو "
" تیرے پوشیدہ بھید مین کوئی دخل نہین - کافر کیلیے "
" کفر اور دیندار کے لیے دین درد دل کی دوا ہی -

" اے خدا تو ہی سب کامون کا ظاہر کرنیوالا ہی "
" اور تمام کامون کا حصر نیت پر رکھا ہے - تو ہی نے "
" بادشاہون کو بادشاہونکے لائق نیت عطا فرمائی ہی - "

اکبر اعظم

نام کو اللہ اکبر کیا ترے توقیر ہے
داخلِ ہر بانگ ہے شامل ہر تکبیر ہے

بابر کی اولوالعزمی نے چارونطرف سے مایوس ہو کر پٹھانون کی خانہ جنگیونکی بدولت ہندوستان مین پاؤن رکھنے کی جگہہ پائی تھی کہ عام روایات کے بموجب محبت پدری کے جوش مین اپنی جان بیٹے کی صحت پر قربان کی اور اُسکا لاڈلا بیٹا ابھی عروس سلطنت سے ہم آغوش بھی نہونے پایا تھا کہ پٹھانون کی متفرق قوت شیر خان سور کی حوصلہ مندی کی شکل مین نمودار ہوئی۔ ہمایون کی اُسوقت عجب حالت تھی سلطنت کو اگر دیکھو تو صرف چند شہرون پر محدود اور حکومت برائے نام تھی اور وہ خود اگرچہ اعلےٰ صفات انسانی سے آراستہ تھا مگر اُسمین اصابت رائے اور قوت فیصلہ کی جو تمام سلطنت کے لیے ضروری ہے کمی تھی۔ گھر کی حالت دیکھو تو وہی خانہ جنگی جسنے پٹھانون کو اُسکے باپ کی تدبیر اور شجاعت کا شکار بنایا تھا مسلط تھی اور بھائی بھائی کا روادار نہ تھا۔ ارکین سلطنت اگرچہ پختہ کار اور شجاع تھے مگر اِس خانہ جنگی کی بدولت وہ بھی ڈانواڈول ہو رہے تھے کبھی ایک بھائی کا ساتھ دینے مین اپنا فائدہ سمجھتے تھے اور کبھی دوسرے کی طرف ہو جاتے تھے غرضکہ ادبار و تباہی کے تمام سامان جمع تھے اور ایسی حالت مین وہ شیر خان کی پُرجوش اولوالعزمی اور پُرمغز خوش تدبیری اور راسخ ارادون کے سامنے ٹھہرتا تو کیونکر۔ نتیجہ وہی ہوا جو پہلے سے نظر آرہا تھا کہ شیر خان کا اقبال بڑھا اور ہمایون کا گھٹا اور بالآخر اُسکو سلطنت سے ہاتھ دھو کر فرار کو ذریعۂ نجات سمجھنا پڑا۔ وہ وقت بھی عجب بیکسی کا تھا۔ کبھی گھبرا کر بیکانیر و جیسلمیر کے صحراے بے آب مین ٹکراتا پھرتا تھا

اور کبھی ضعیف سی اُمید پر جو چھوڑ کے سنگلاخ میدانوں کیطرف بڑھتا تھا مگر دغابازی دُور ہی سے اپنا ڈراونا چہرہ دکھا کر قدم اُکھاڑ دیتی تھی۔ ادبار کی گھٹا ہر طرف چھائی ہوئی ہے خون سفید ہو گیا ہے۔ بھائی بھائی کے کھانے کو دوڑتا ہے۔ برائے نام دوست بہت ہین مگر دوستی کا وقت آیا اور انجان بنے اُمید کی جھلکی بھی کبھی کبھی نظر آجاتی ہے۔ مگر فوراً ہی مایوسی کے غبار مین غائب ہو جاتی ہے۔ انتہا ہو گئی کہ جب راستے مین اتفاقاً ہمایون کا گھوڑا اندر اجل ہو گیا تو سخت دل تروی بیگ نے جو اُسکے باپ کا رفیق اور خود اُسکا مشیر تھا اِس مصیبت زدہ بادشاہ کو اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا دینے مین بھی انکار کیا جسکی وجہ سے اُسکو اونٹ کی ناہموار سواری نصیب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ ایک ترک کے لیے جو گویا مان کے پیٹ سے نکلکر گھوڑے کی پیٹھ پر آنکھ کھولتا ہے اِس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ مگر غنیمت ہوا کہ اُسکے ایک رفیق ندیم خان کو جو بیچارہ اپنی بوڑھی مان کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے خود پیدل جا رہا تھا رحم آگیا اور اُسنے بیدریغ اپنا گھوڑا ہمایون کی نذر اور اُسکے اونٹ پر اپنی مان کو سوار کیا۔ غضب یہ ہے کہ حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ رفیق کار رفیق نا دشمن معلوم ہوتا اور زمین و آسمان پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے مگر دشت غربت مین ہمایون کی چہیتی بی بی حمیدہ بانو بیگم بھی ساتھ ہے اور وہ بھی اِس شان سے کہ پورے دن ہین اور ہر قدم پر خوف ہے کہ کہین یہین تکالیف مادری سے مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ خیر خدا خدا کر کے یہ بینوا قافلہ سندھ کے بے گیاہ جنگلون کو قطع کرتا ہوا امرکوٹ پہونچا اور وہان پاؤن رکھنے کو جگہ بھی ملی مگر گرگ صفت بھائی ہر طرف سے تاک مین لگے ہوے تھے اور اِسلیے اُسکو بی بی کو وہین چھوڑ کر اُنکے مقابلے کے لیے روانہ ہونا پڑا۔ اُسوقت غریب حمیدہ بانو بیگم کی جو حالت ہو گی وہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ نہ تن پر کپڑا نہ پیٹ کے لیے کھانا نہ کوئی مونس نہ غمخوار یہانتک کہ شوہر بھی سربازی مین مصروف اُسپر اجنبی ملک اور اجنبی لوگ لیکن جسطرح کہ عین کشش باران کے زمانے مین ہر طرف سے کالی گھٹائین اُٹھکر دم کے دم مین صحراے بے گیاہ کو مرغزار بنا دیتین یا دفعتاً گھنگھور اندھیرے مین دل بادل پھٹکر دُنیا کو آفتاب کی تیز شعاعون سے متور کر دیتے ہین یا جس طور پر ع

ستارہ صبح عشرت کا شب ماتم نکلتا ہے

اُسیطرح بتاریخ ۵ رجب ۹۴۹ھ شب یکشنبہ وہ نیرّ برج سعادت طلوع ہوا جو بالآخر آفتاب ہوکر چمکا۔ اکبر جیسے عالم سراسیمگی مین پیدا ہوا تھا ایسی ہی بیچارگی مین اُس کا بچپن بھی گذرا۔ ابھی پورا ایک برس کا بھی نہونے پایا تھا کہ مرزا عسکری کے دغا و فریب کے خوف سے ماں باپ کا ساتھ بھی چھُٹا اور بیرحم چچا کے ہاتھ پڑا مگر خدا بھلا کرے اُسکی بی بی سلطان بیگم اور اکبر کی دائیون ماہم بیگم اور جی جی انگا کا کہ بچّے کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائی۔ جب اکبر کی عمر دو سال سے کچھ اوپر ہوئی تو ہمایون نے پھر کابل فتح کیا اور اُسکو باپ کا دیدار نصیب ہوا مگر ابھی پانچ برس کا نہوا تھا کہ پھر ظالم کامران کے ہاتھ پڑگیا اور جبکہ ہمایون قلعہ کابل کے محاصرہ مین مصروف تھا ایک مورچے پر جہان گولے بڑے زور و شور سے برس رہے تھے اِس ننھی سی جان کو لقمۂ اجل بنانے کے لیے بٹھا دیا گیا مگر شاباش ماہم کی وفاداری کو کہ وہ اُسکو اپنے گرد چھپا کر مورچے کیطرف پشت کر کے بیٹھ گئی۔ ایسی پریشانی اور خانہ بربادی کی حالت مین ظاہر ہے کہ تعلیم تو کیا کسی بات کا بھی انتظام نہین ہو سکتا اور اسی لیے اکبر باپ کے تربیت بار سایہ سے جدا ہوکر حرف آشنا بھی نہ ہو سکا لیکن جس طرح کہ اُسنے بیکسی کی گود مین پرورش پائی تھی اُسیطرح اُسکی تعلیم و تربیت بھی مصیبت ہی کے اعلےٰ مدرسے مین ہوئی۔ اور یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ ابتدا ہی مین وہ اعلیٰ صفات انسانی اُسمین پیدا ہوگئین جو کشمکش حیات مین کامیابی حاصل کرنے کے لیے لازمی ہین۔ بارہ برس آٹھ مہینے کی عمر مین وہ سرہند کی لڑائی مین شریک ہوا اور ابھی پورے چودہ سال کا سن بھی نہونے پایا تھا کہ ہمایون کی ناگہانی موت سے اُسکو یتیمی کا تمغہ اور سلطنت کا چھتر ملا اور اُسنے ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو تخت شاہی پر قدم رکھا۔ بادشاہ بچہ اور سلطنت برائے نام تھی مگر بیرم خان اتالیق کی وفاداری و کاردانی ہر وقت آڑے آنے کے لیے موجود تھی۔ بیرم خان نے ابتدائی معرکون مین نہایت ہی خوش تدبیری سے کام لیا اور خوب ہی داد شجاعت دی اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانی سازشون کا استیصال اور ہندوستان کا ایک معتدبہ حصّہ سلطنت مغلیہ مین داخل ہوگیا*۔ چار برس کی خودمختاری نے کچھ تو بیرم خان کا سر پھرایا

* جلوس کے پہلے ہی سال مین جبکہ پٹھانون کا مشہور جنرل ہیمون بقال گرفتار ہوکر آیا تو باوجود

اور ادھر ترقی عمر کے ساتھ اکبر نے بھی پر پرزے نکالے اور کچھ باقی امراء کے دلمین حسد کی آگ مشتعل ہوئی اور اُنھون نے طرح طرح پر بادشاہ کو اپنے ہاتھ مین عنان سلطنت لینے کے لیے آمادہ کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بیرم خان کے اقبال کا چراغ گل ہوا اور اکبر نے براہ راست حکومت شروع کی۔ تقریباً بیس سال تک اکبر ہندوستان کے مختلف صوبون کے فتح کرنے اور اپنے باغی امراء کی سازشون کو توڑنے اور بغاوتون کے فرو کرنے مین مصروف رہا یہانتک کہ صوبۂ پنجاب و دہلی کے علاوہ جو اُسکو میراث مین ملے تھے۔ کابل۔ قندھار۔ کشمیر۔ سندھ۔ میواڑ۔ گجرات۔ اودھ۔ بہار۔ بنگالہ۔ اڑیسہ احمد نگر۔ مالوہ اور خاندیس سب اُسکے دائرہ حکومت مین داخل ہوگئے۔ گویا کہ مغرب مین اُسکی سلطنت کا ڈانڈا ہندوکش سے ملا ہوا تھا اور مشرق مین خلیج بنگالہ سے اور اگر شمال مین کوہ ہمالیہ سے ٹکراتا تھا تو جنوب مین مغربی گھاٹ سے۔ یہ فتوحات نہ صرف اکبر کے جنرلون کی خوش تدبیری و کاردانی کا نتیجہ تھین بلکہ اُنمین پوری طور پر اُسنے خود بھی اپنی دانائی۔ دُوراندیشی۔ مستعدی۔ ان تھک جفاکشی۔ نڈر شجاعت اور تیز ہوشی کا ثبوت دیا تھا۔ جبکہ اُسکے جنرل دُور و دراز مُہمون پر مصروف ہوتے تھے اور وہ ذرا بھی اُنکو بے عنوانیون کیطرف جُھکتا ہوا دیکھتا یا اُنکی کوششون مین سُستی پاتا تھا تو دفعتاً بجلی کیطرح ایک ایک ہفتہ کی راہ ایک ایک دن مین طے کرکے انکے سر پر جا دھمکتا تھا۔ مالوہ گجرات اور بنگالہ کی یلغارین آجتک اُسکی مستعدی و جوانمردی پر شہادت دے رہی ہین۔ اُسکی خداداد طباعی نے فنون جنگ کو جہان پایا تھا وہین نہین چھوڑا بلکہ اُنکی ہر ایک شاخ کو ترقی دی۔ اِس زمانے مین توپون کے بنانے اور اُنسے کام لینے مین جسقدر ترقی ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہین ہے مگر اکبر اُس قدیم زمانے ہی مین اسکی ضرورت سے واقف ہوگیا تھا اور اُسنے ایک ایسی توپ ایجاد کی تھی جو ایک شتابہ مین سترہ فیر کرتی تھی اور بعض ایسی توپین بھی بنوائی تھین جن کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ایک مقام سے دوسرے مقام کو آسانی سے لیجا سکتے تھے۔ ہندوستان مین قدیم سے سپہ سالارون اور منصب دارون کی بے عنوانیونکی بدولت فوج کی عجیب حالت ہورہی تھی۔ سپاہیون اور سوارون کی تنخواہون کی بابت

ص بیرم خان کے اصرار کے اکبر کی حوصلہ مندی نے اپنی تلوار کو ایک بیکس قیدی کے خون سے رنگین کرنا پسند نکیا۔

امرار کو بڑی بڑی جاگیرین دی گئی تھین لیکن اگر فوج کو دیکھو تو پتہ بھی نہین اور اگر کچھ تھی بھی تو اُسکی عجب حالت تھی۔ اگر کسی کے پاس زین ہے تو گھوڑا نہین۔ اور ہتھیار ہے تو لباس نہین۔ اکبر نے سب سے پہلے اپنی نظرِ اصلاح اسی طرف متوجہ کی اور سپاہیون کو امراء کے دست حرص سے نکالکر علم شاہی کے سایہ مین لیا اور نقد تنخواہین مقرر کرکے سپاہیون کی چہرہ نویسی اور گھوڑون کے داغ کے ذریعے سے اُنکو بدنیتی کے چنگل سے آزاد کیا اور اسطور پر ایک کارآمد اسٹینڈنگ آرمی کی بنیاد ڈالی گویا کہ اکبر ہی وہ پہلا شخص ہے جسنے ہندوستان مین قدیم فیوڈل سسٹم کو توڑ کر شاہی قوت و اقتدار کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ دُنیا کے عظیم الشان فاتحون کی تاریخ مین بھی اکبرؒ کو اپنی مُہمون کی کامیابی اور وسعت کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ لیکن جس چیز نے کہ در اصل اکبر کو اکبر بنایا وہ اُسکے جنگی کارنامے نہین ہین بلکہ وہ مادیات سے گذر کر روحانیات تک پھیلی ہوئی ہے۔ اکبرؒ نے ابتدا ہی مین مدرسۂ مصیبت مین ایسی تعلیم نہ پائی تھی کہ وہ اپنے باپ کی تباہی اور کھڑے کھڑے ہندوستان سے نکالے جانے اور در بدر خاک بسر مارے پھرنے سے نتیجہ خیز سبق نہ لیتا اور خواہ یہ صحیح ہو یا نہ ہو کہ اُسکے باپ کو شاہ طہماسپ صفوی نے ہندوستان کی واپسی کے وقت دو نصیحتین کی تھین۔ ایک تو یہ کہ افغانون کو تجارت مین لگائے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کی دیسی قومون کو اپنا بنائے لیکن زمانے نے خود اُسکو بتادیا تھا کہ اگر سلطنت کے استحکام کی کوئی تدبیر ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ اُسکی بنیاد بجائے تلوار کی باریک دھار کے رفاہ خلق اللہ کے ذریعے سے رعایا کے دلون مین رکھی جائے۔ چنانچہ پہلے ہی سال اُسنے ایک ایسا حکم دیا جو انگلستان کی موجودہ ترقی کا راز ہے مگر جو صدیون تک ٹھوکرین کھانے کے بعد اُسکو معلوم ہوا ہے یعنے تجارت کو ہر قسم کے محصولات سے جو اُسکی ترقی کے حارج تھے آزاد کردیا اور گو ابتدا مین اُسکی کمسنی اور بیدست و پائی کی وجہ سے اُسکا پوری طرح پر نفاذ نہ ہوسکا لیکن جب عنان حکومت اُسکے ہاتھ مین آئی تو وہ اُسکو جاری کرکے رہا۔ یہ تو وہ سلوک ہے جو اندرونی تجارت کے ساتھ کیا گیا۔ بیرونی تجارت کی روک بعض سنگین محصولون سے ہوتی تھی جو میر بحری یا سی کسٹمس کے نام سے مشہور تھے۔ اکبرؒ نے ان محاصل مین بھی اسقدر تخفیف کی

کہ وہ صرف برائے نام اڑہائی فیصدی رہ گئے۔ اور اس سے جیسا فائدہ کہ بیرونی تجارت کو پہونچا ہوگا وہ محتاج نہین ہے۔ اگرچہ برٹش گورنمنٹ کا اوڑھنا بچھونا فری ٹریڈ یعنے آزادی تجارت ہی لیکن اس زمانے مین بھی سی کسٹمس (محاصل بحری) کی شرح کہین اکبر کی مقررہ شرح سے زیادہ ہے۔ تمام دُنیا کے قانون کا یہ میلان رہا ہے کہ ابتدا مین نہایت سخت سزائین چھوٹے چھوٹے جرائم کے لیے بھی تجویز کیجاتی ہین لیکن جب تمدن مین ترقی اور قوم کی حالت اصلاح پذیر ہوجاتی ہے تو سزاؤن مین بھی نرمی ہوتی جاتی ہے۔ ہندوستان مین بھی قدیم سے بعض وحشیانہ سزاؤن کا رواج چلا آتا تھا مثلاً ہاتھ پاؤن کاٹنا یا اندھا کرنا وغیرہ لیکن اکبر کی روشنضمیری نے سنہ جلوس مین ان سزاؤن کو قطعاً موقوف کردیا۔ قدیم زمانے مین یہ طریقہ تھا کہ جنگ مین جو جانباز قید ہوتے تھے وہ عمر بھر کے لیے آزادی کو خیرباد کہکر غلامی کا خلعت پاتے تھے۔ گو کہ سیاست کے لحاظ سے اسکا کیسا ہی اثر پڑتا ہو لیکن انسانیت کے اعتبار سے یہ طریقہ جسقدر بیرحمی و ظلم سے مملو ہے وہ محتاج تشریح نہین اور اسلیے اکبر کے لیے یہ امر باعث فخر ہے کہ اُسنے سنہ جلوس مین یہ قاعدہ بنادیا کہ جو شخص جنگ مین قید ہو وہ غلام نہ بنایا جائے اور موجودہ غلامون سے بھی داغ غلامی اس حدتک دھودیا کہ اُنکے خاص حقوق قرار دیے اور اُنکا نام بھی حیثیت کے ساتھ بدلکر چیلہ قرار دیا۔ اسی کے ساتھ غلامونکی عام خرید و فروخت کی بھی قطعاً ممانعت کردی۔ اُسکے دوسرے سال جاتریون سے جو جابرانہ محصول لیاجاتا تھا اُسکو موقوف کیا اور یہ گویا کہ پہلی مرتبہ اس امر کا اعلان تھا کہ ہر شخص اپنے معتقدات مذہبی کے لحاظ سے آزاد ہے اور اُنکے اداکرنے مین کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونی چاہیے۔ سنہ جلوس مین جو خیال کہ کسی قدر دبی زبان سے ظاہر کیا گیا تھا اگلے سال خوب ہی زور شور سے اُسکا اعلان کیا گیا اور اکبر نے ایسا کام کیا جسنے فی الواقع حاکم و محکوم کی حیثیت سلطنت کے سامنے ایک کردی یعنے جزیہ معاف کیا۔ جزیہ دراصل ایسا پُررسوائی ٹیکس نہین ہے جیسا کہ یوروپین مصنفین نے سمجھا ہے بلکہ وہ مفتوح قومون سے فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے لیا جاتا تھا تاکہ جسطرح فاتح قوم امن عامہ کے قیام مین اپنی جان لڑاتی تھی اُسی طرح مفتوح قومین اپنے مال سے مدد کرین۔ اگر تاریخ ہندوستان کا غور سے

مطالعہ کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ ابتدا مین سرکار کمپنی بہادر جو ویسی ریاستونمین بعض
فوجین امدادی یا کنٹنجنٹ کے نامون سے مقرر کرکے اُنکے اخراجات وصول کرتی
تھی وہ بھی ایک قسم کا جزیہ ہی تھا اور اِس زمانے مین بھی جو اخراجات فوجی یا
شہنشاہی کہلاتے ہین اور جنمین اہل ملک کا کوئی دخل یا حصہ نہین ہوتا اُنپر بھی
خواہ کچھ ہی اُنکا نام رکھا جائے جزیہ کی تعریف صادق آسکتی ہے۔ مسلمانون مین
قدیم سے کانسکرپشن کا طریقہ یعنے وقت پر ہر شخص فوجی خدمت انجام دینے پر
مجبور ہو۔ جاری ہے اور اِس لیے اُس سے مستثنےٰ ہونے کا اختیار ایک بہت بڑا
حق تھا اور بصورت امکان غالباً بہت سے مسلمان بھی اُس سے فائدہ اُٹھاتے لیکن
چونکہ اکبر کا منشا، فاتح و مفتوح کا فرق اُٹھا کر اپنی سلطنت کو گویا کہ ہندوستان کی
قومی سلطنت بنانا تھا جسکی اصلی ترقی کے لیے ہندوونکی تیز ہوشی و جرأت و ہمت
کی بھی اُسی طرح ضرورت تھی جسطرح کہ مسلمانون کی کاردانی اور شجاعت کی اور ملک کے
امن و امان کی حفاظت اور توسیع مین ہندو بھی اُسیطرح حصہ لینے کے مستحق تھے
جسطرح کہ مسلمان اِسلیے جو امتیاز کہ جزیہ کے ذریعے سے فاتح و مفتوح مین قائم کیا گیا
تھا وہ در اصل باقی نرہا تھا اور جزیہ فی الحقیقت ایک جابرانہ ٹیکس ہوگیا تھا۔ اِسلیے
اکبر نے اُسکو موقوف کرکے رعایا کے تمام طبقون کے مساوی ہونے کا اعلان کردیا۔
گوکہ اکبر نے کبھی ہماری فیاض گورنمنٹ کیطرح اِس امر کا اعلان نہین کیا کہ اُمور
سلطنت مین کوئی امتیاز خون یا رنگت یا مذہب کا روا نرکھا جائیگا لیکن عملی طور پر
وہ تقررات مین خواہ ملکی ہون یا فوجی یا مالی۔ عبداللہ اور رام داس مین کوئی فرق
نہ کرتا تھا یہانتک کہ کوئی منصب اور کوئی عہدہ ایسا نہ تھا جو ہندو مسلمان دونون
کے لیے یکسان کُھلا ہوا نہ ہو اُسکی بے تعصبی کا اِس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے
کہ مان سنگھ کو خود صوبۂ کابل کی گورنری کا اعزاز بخشا جہان کی آبادی بالکل مسلمان
تھی۔ اُسیطرح مہمات فوجی اگر خان خانان اور خان اعظم کے سپرد ہوتے تھے تو
بھگوان داس اور مان سنگھ کا درجہ بھی اُنسے کم نہ رہتا تھا اور اگر معاملات ملکی و مالی
مین مظفر خان کے مشورے پر عمل کیا جاتا تھا تو ٹوڈر مل کی رائے اُس سے بھی زیادہ
وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اِسیطرح اگر فیضی و ابوالفضل دربار کی زینت تھے

تو بیر بر بھی اکبر کے تاج کا ایک بے بہا جوہر تھا۔ یہی وہ چیز تھی کہ جسنے راجپوتون اور برہمنون کو سلطنت کا اِسدرجہ خیرخواہ بنا دیا تھا کہ وہ اپنے باغی ہموطنون اور ہم مذہبون کے مقابلے مین لڑنے اور جان دینے مین بھی تامل نہ کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کو رات دن یہی فکر رہتی تھی کہ وہ ہندوستان کی مختلف قومونکو ایک کر کے ایک زبردست قومی سلطنت قائم کرے اور اسی لیے اُسنے قدیم راجپوت خاندانون سے رشتہ داری کی بنیاد ڈالی تاکہ خاندان شاہی سے جو مغائرت تھی وہ یگانگت سے بدلجائے اور اسی غرض سے ۲۳ سنہ جلوس مین اُسنے عبادت خانہ فتحپور سیکری مین اُن قابل یادگار مذہبی مناظرون کو قائم کیا جنمین ہر قوم وہر مذہب کے علما حصہ لیتے اور نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذاہب کے اصول کی تشریح کرتے تھے۔ اِن مناظرون کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکبر جو زیور علم سے عاری تھا اُس بلندی خیال پر پہونچگیا جو خاص فلاسفرون کا حصہ ہے اور جہان سے ہر مذہب کے ابتدائی اصول یکسان حقانیت کا رنگ لیے ہوے آتے ہین۔ انکا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جو لوگ شریک ہوے تھے اُنمین وسعت نظر کی ترقی کی وجہ سے تعصب خواہ مخواہ کم ہوگیا اُس زمانے مین مذہب اسلام کی بھی صدیون کی تقلید اور پیشوایان مذہب کی طبع آزمائیون کی وجہ سے عجب کیفیت ہو رہی تھی۔ سادگی جو اسلام کے لیے مخصوص ہے نام کو باقی نہ رہی تھی اور مذہب خارج از عقل اعتقادات اور بیجا توہمات اور تقلیدی تخیلات کا ایک مجموعہ ہوگیا تھا اور پیشوایان مذہب کی اُس سے بھی بدتر حالت تھی کہ گو ریاکاری کا جامہ ہر وقت زیب بدن رہتا تھا لیکن جاہ طلبی کے پیچھے احکام مذہبی کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے اور جیسا موقع ہوتا تھا ویسا ہی فتوی دینے کے لیے موجود ہو جاتے تھے۔ اسکے متعلق مخدوم الملک اور صدر جہان کے کارنامے اور دُنیا سازی قابل ملاحظہ ہین۔ انھین وجوہ سے اکبر کا ابتدائی جوش مذہبی جو اُسے اجمیر شریف کو پاپیادہ لیجاتا اور یا معین کے وظیفے مین دن رات مصروف رکھتا تھا ٹھنڈا ہوتا گیا اور وہ اِس نتیجے کے نکالنے پر مجبور ہوا کہ تاوقتیکہ تقلید کے اِس مضبوط جال سے جس نے لوگون کے اذہان کو مقید کر رکھا ہے نجات نہ ملے کسی پائدار اصلاح کی امید نہین ہوسکتی چنانچہ اُسنے ۲۴ سنہ جلوس مین علما سے اجتہاد کی

سند حاصل کی[۱]۔ اور مذہب الٰہی کی بنیاد ڈالی جو تمام مروجہ مذاہب کے لوگونکے لیے یکسان کھلا ہوا تھا
اسمین شک نہین کہ یہ کام ایک جاہل ترک کی قدرت اور منصب سے بالا تھا اور اِسی وجہ سے اُسمین
باوجود ابوالفضل وفیضی کی ذہانت آرائیون کے جیسی کامیابی کہ ہونی چاہیے تھی
نہ ہوئی بلکہ کھیل تماشہ بنکر رہگیا۔ لیکن اُسکا اتنا اثر ضرور ہوا کہ تعصب کی بلا جو اہل
ملک کو باہمی اختلافات کی وجہ سے سر نہ اُٹھانے دیتی تھی یک لخت رفع ہوگئی اور
تنگ دلی کی جگہہ وسعتِ خیال نے لوگون کے دلون مین لی۔ گو وہ خود علم سے بے بہرہ
تھا لیکن وہ بخوبی جانتا تھا کہ تعصب کی بنیاد جہالت ہے اور اُسکے رفع اور اقوام
ماتحت پر ٹھیک طور پر حکومت کرنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ اُنکے حالات و علوم
سے زیادہ واقفیت حاصل کیجائے اور اِسی لحاظ سے اُسنے خلفاے بغداد کی طرح
ایک سررشتۂ ترجمہ قائم کرکے بیسیون سنسکرت کتابونکے ترجمے شائع کرائے
داڑھی منڈوانے۔ گائے کے گوشت اور لہسن پیاز کے کھانے سے اجتناب
کرنے اور غم کے موقعون پر بھدرا کرانے کی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ حاکم
ومحکوم کے خیالات مین جو اختلاف ہے وہ باقی نہ رہے۔ اکبر بخوبی جانتا تھا کہ وہ
مسلمان تو ہے ہی اور اسلیے اگر اتحاد و یکجہتی قائم کرنے کے لیے اُسکو ضرورت ہے
تو ہندوؤن کی باتین اختیار کرنے کی ہے۔ قومون اور مذاہب کے اختلافات
رفع کرنے کے بعد اُسنے اُن اصلاحون کیطرف توجہ کی۔ جو جماعت انسانی کی
ترقی کے لیے ضروری ہین۔ نظام معاشرت کا دارومدار شادی بیاہ پر ہے اور
اُنکے متعلق آئے دن لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہین جو خاندانون کو تباہ
کردیتے یا خود شوہر یا زوجہ کی زندگی خاک مین ملا دیتے ہین یا اگر ابتدا مین کافی
احتیاط نہ کیجائے تو اُنکا اثر موجودہ نسل سے لیکر آئندہ نسل تک پہونچتا ہو۔ اکبر
نے نہایت دُور اندیشی سے قرار دیا کہ قریب کے رشتہ دارون مین شادیان

---

[۱] بعض انگریز مورخون مثل الفنسٹن وبلاک مین نے اِس محضر کو بہت بڑی چیز سمجھا ہے
مگر یہ دراصل کوئی نئی بات نہ تھی خلفاے راشدین کے علاوہ خلفاے بنی اُمیہ وبنی عباس کی امامت
معاملات مذہبی مین مسلم تھی اور اسی طرح ترکون مین شیخ الاسلام اب تک مجتہد کا مرتبہ رکھتے ہین
اور اہل تشیع مین کوئی زمانہ ایسا نہین ہوتا جسمین چند مجتہد موجود نہ ہون۔

نہ ہوا کریں اور اسیطرح کسی کی شادی سن بلوغ کو پہونچنے سے پہلے یا اگر عورت کی عمر مرد سے بارہ سال سے زیادہ ہو نہوا کرے اور ایک سے زیادہ عورت کرنا بھی ناپسندیدہ ہے اور اِن امور کی نگرانی کی غرض سے یہ قاعدہ بنا دیا کہ تمام شادیونکا داخلہ دفاتر سرکاری مین رہا کرے۔ ہندوستان کی اعلےٰ قومون مین بیواؤن کے عقد ثانی کا رواج نہ ہونے سے نظام معاشرت مین جو خرابیان پڑتی ہین وہ محتاج بیان نہین ہین اور گو اس قسم کے اُمور مین قانونی مداخلت مناسب نہین ہوتی لیکن اکبر نے اِسکے متعلق بھی دُوراندیشی سے ایک نہایت مفید قاعدہ بنا دیا اور وہ یہ کہ اگر کوئی بیوہ عقد ثانی کرنا چاہے تو اُسکا روکنا داخل جرم ہوگا۔ اِنہین سے اکثر وہ اہم اصلاحین ہین جنکے لیے آجکل کے سوشل رفارمر زور دے رہے ہین مگر نقار خانے مین طوطی کی آواز کوئی نہین سُنتا۔ ستی کی ظالمانہ اور قبیح رسم کے انسداد کا فخر بھی اکبر ہی کو حاصل ہے۔ اور وہ اپنے قوانین کا ایسا دلدادہ تھا کہ ایک مرتبہ جب راجہ جے مل مہم بنگالہ کے راستے مین بمقام چانسہ پہونچکر فوت ہوا اور اُسکے رشتہ دارون نے اُسکی رانی کو ستی ہونے پر مجبور کیا تو اکبر ایک طول طویل سفر کر کے خود جا پہونچا اور اُنکو اِس شرمناک فعل سے باز رکھا۔

تعلیم چونکہ غذائے روح ہے اور قومی ترقی کا اُسپر دار و مدار ہے اِس لیے اکبر نے اِس طرف بھی پوری توجہ کی اور ایک مفید نصاب مقرر کر کے طریقۂ تعلیم مین بھی ایسی مفید اصلاحین کین کہ بقول ابوالفضل کے جو بات برسون مین نصیب ہوتی تھی وہ مہینون مین حاصل ہونے لگی۔ لوگونکی بداخلاقی کو محاصل آبکاری قائم کر کے کبھی اُسنے اپنے خزانے کے بھرنے کا ذریعہ نہین بنایا۔ لیکن اُسی کے ساتھ بمقتضائے ع محتسب را درون خانہ چہ کار۔ یہ بھی تاکید کر دی کہ اگر کوئی چھپ چھپا کر مسکرات کا استعمال کرے تو اُس سے مزاحمت بھی نہ کیجائے۔ اِس زمانے مین محاصل آبکاری اور مسکرات پر جس قسم کے اعتراضات ہمارے پولیٹکل رفارمر کیا کرتے ہین وہ محتاج تشریح نہین ہین اور نہ اِس امر کے بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کس حد تک اکبر کے انتظام پر عائد ہو سکتے ہین۔ غلہ اور مویشی اور صنعت و حرفت کی ترقی کیلیے اُسنے یہ تدبیر اختیار کی کہ ہر ایک شے کی ترقی کا ایک ایک امیر کو ذمہ دار قرار دیا اور

اِس امر کی نگرانی کے لیے کہ اُنھون نے اپنے اِس خاص فرض پر کس حدتک توجہ کی ہے
جشن نوروز کے بعد خاص محلات شاہی مین ایک بڑا بازار لگتا تھا جسمین خود بادشاہ
اور اُمرا اور محل کی بیگمات خرید و فروخت کرتی تھین اور ہر شخص اپنا کمال دکھانے
کی کوشش کرتا تھا۔ اِس بازار کو موجودہ نمائشون کی ابتدا سمجھنا چاہیے۔ دوسرے
طور پر بھی اُسکو تجارت کی ترقی کا بیحد خیال تھا جسکا ایک شمّہ دلالون کا تقرر بھی تھا
غربا کی امداد کے لیے پاے تخت کے باہر دو عالیشان مکان خیرپورہ اور دھرم پورہ
کے نام سے تعمیر کرائے جنمین سے ایک مسلمانون کے لیے مخصوص تھا اور دوسرا
ہندؤن کے لیے اور اُنمین ہر وقت ہر شخص کو تیار کھانا ملتا تھا اور جب اِن مکانون
مین جوگی زیادہ جمع ہونے لگے جس سے دوسرون کی حق تلفی ہوتی تھی تو اُنکے لیے
ایک علیحدہ مکان بنام جوگی پورہ تعمیر کرایا گیا۔ انتظام سلطنت کی خوبی کا دارومدار چند
اُمور پر ہے۔ شخصی آزادی۔ امن وامان۔ محصولون کا معتدل ہونا اور مقررہ شرح سے
لیا جانا۔ اور راستون کا درست حالت مین رہنا۔ اگر اِس اعتبار سے اکبرؔ کے عہد پر
نظر ڈالی جائے تو وہ بھی کسی سے پیچھے نہ نظر آئیگا۔ شخصی آزادی کی تو یہ کیفیت تھی کہ
ہر شخص کو اختیار تھا کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے۔ اور اِسمین یہانتک اہتمام تھا
کہ اگر کوئی ہندو لڑکا بچپن مین مسلمان ہوجائے تو سن بلوغ پر پہونچنے کے بعد اُسکو
اپنے آبائی مذہب پر عود کرنے کا پورا اختیار ہوگا اور اِسیطرح اگر کوئی ہندو عورت
کسی مسلمان کے گھر مین پائی جائے تو وہ اپنے ورثا کے پاس پہونچا دیجائے۔ اِس
زمانے مین پادری لوگ شخصی آزادی کے بھیس مین جو سلوک مختلف قومون کے یتیم
بچون سے کرتے یا بعض صورتون مین زنانہ مشن کے ذریعے سے جاہل عورتونکو
اُنکے آبائی مذہب سے متنفر کرکے خانہ بربادی کا موجب ہوتے ہین اُسکے بیان
کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ قیام امن وامان کے متعلق بھی اکبرؔ نے نہایت
دانشمندانہ احکام جاری کیے تھے جیسا کہ اشخاص جرائم پیشہ و وارد و صادر کی نگرانی
ہر محلہ مین ایک ایک شخص کے بنام میر محلہ ذمہ دار انتظام قرار دیے جانے اور کوتوال
اور چوکیدارون کے فرایض اور ذمہ داریون سے معلوم ہوتا ہے اور خلق اللہ کی
دادرسی اور اُنکے نزاعات باہمی کے تصفیہ کے لیے قاضی و میر عدل مقرر تھے جنمین سے

قاضی کا کام تحقیقات۔ اور میر عدل کا فیصلے صادر کرنا تھا اور سبکی نگرانی کے لیے ایک
اعلیٰ عہدہ دار بنام صدر جہان مقرر تھا۔ فرائض کی اس تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ
انصاف رسانی کا کام کیسی احتیاط سے ہوتا ہوگا اور لطف یہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص
بلا کسی خرچ کے عدالتہائے شاہی سے فیضیاب ہو سکتا تھا کیونکہ اُس زمانے مین نہ کوئی
قانون اسٹامپ تھا اور نہ گروہ وُکلا۔ محصولات کے متعلق اکبر کی جو توجہ ابتدا سے
تھی اُسکا ذکر پہلے ضمناً آچکا ہے۔ اُسنے نہایت استقلال اور دانشمندی کے ساتھ اُن
تمام محصولات کو قطعاً موقوف کر دیا جو قومی ترقی مین ہارج یا لوگون کی دل آزاری کا موجب
تھے اور جو محصول باقی رکھے اُنکے متعلق بھی صاف وصریح قاعدے بنا دیے۔ انتظام
مالگذاری کے متعلق بہت ضروری اصول یہ ہین کہ اراضی زیر کاشت کا رقبہ معین ہو۔
لگان چند سال کی اوسط پیداوار کے لحاظ سے بہ لحاظ اقسام اراضی ایسی معتدل شرح
سے معین کیا جائے جسمین بُری اور بھلی دونون قسم کی فصلون کا لحاظ رہے اور کاشتکارون کو
علاوہ اپنی مقبوضہ زمین کے اراضی افتادہ کے لینے کی بھی ترغیب ہو۔ یہ اصول تو نفع
سرکاری کے لحاظ سے ضروری ہین لیکن کاشتکارون کا فائدہ اسمین ہے کہ زمین کے
متعلق اُنکو حق مقابضت حاصل ہو کہ ترقی اراضی و کاشت کی ترغیب ہو اور لگان کی
شرح معین اور معلوم ہو کہ عمال کو زیادہ ستانے کا موقع نہ ملے اور اسقدر نرم ہو کہ
اُسکو ہر سال کچھ پس انداز ہوتا رہے تا کہ بصورت خرابی فصل بسر اوقات بہ آسانی
ہو سکے۔ یہی اصول تھے جن پر ٹوڈرمل اور مظفر خان کا بندوبست مالگزاری مبنی تھا
اور وہی اسوقت تک بھی قوانین مالگذاری کی بنیاد ہین۔ ضلع کا حاکم مال عامل گزار کہلاتا
تھا جسکو وصول زر مالگزاری کے متعلق بلحاظ حالات فصول وسیع اختیار ہوتے تھے
اور صوبہ کا گورنر سپہ سالار ہوتا تھا۔ علم اعداد جسکو اس زمانے مین اسقدر ترقی ہوئی ہے
کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک مستقل سررشتہ مقرر کیا اور جملہ دفاتر سرکاری کا بڑا
وقت ترتیب نقشہ جات مین گذرتا ہے اور جو نتائج کہ اُنسے مستخرج ہوتے ہین
اُنسے نگرانی و انتظام مین بڑی مدد ملتی ہے اسکی بنیاد بھی ہندوستان مین اکبر ہی نے
ڈالی تھی اور جو کیفیتین کہ افسران مفصلات روزانہ اور ہفتہ وار اور ماہانہ پیش کرتے
تھے اُنسے حکام صدر کو نگرانی کا عمدہ موقع ملتا تھا۔ اب اگر آسانی راہ کے اعتبار سے

دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ محاصل راہداری تو قطعاً موقوف کر دیے گئے تھے اور
حسن انتظام کی وجہ سے ہر شخص بیخوف ایک مقام سے دوسرے مقام پر جا سکتا تھا۔
اسکے علاوہ ابتدائی عہد مین آگرہ سے اجمیر شریف تک ایک پختہ سڑک جسپر
کوس کوس بھر کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے مینارے اور کنوئین اور ہر منزل پر
سرائین جہان کھانا تیار ملتا تھا اکبر کی خوش اعتقادی نے بنوادی تھین۔ مگر ۴۸ جلوس
مین رفاہ خلق اللہ کے خیال نے اِس حکم کو عام کر دیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کو اِسکی
تکمیل کا موقع نہین ملا۔ ۴۱ جلوس مین ایک قحط پڑا۔ اور اکبرنامہ کے دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے غربا و محتاجین کی امداد کا خاص انتظام کیا اور اِس کام کیلیے
خاص خاص عہدہ دار بھی مقرر کیے اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس مبارک طریقے کا
بانی بھی جسنے برٹش گورنمنٹ کے روشن زمانے مین متعدد فیمن کمیشنو نکی بدولت
بہت کچھ ترقی کی ہے اکبر ہی تھا۔ ہمنے صرف اُن بڑے بڑے صیغون کا مختصر سا
حال لکھا ہے جنکا اثر خلق اللہ پر پڑتا ہے۔ اِسکے علاوہ باقی جتنے صیغے مثل دارالضرب
خزانہ و شترخانہ و فیلخانہ وغیرہ وغیرہ تھے اُنکے آئین بھی نہایت باریک نظری سے
مدوّن کیے گئے تھے غرضکہ سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہ تھا جسکو اکبر کی دانشمندی سے
فائدہ نہ پہونچا ہو۔ اب اگر سرکاری انتظامات سے گذر کر اکبر کی پرائیویٹ لایف
(نج کی زندگی) کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجیب محبت کے قابل آدمی تھا۔
اُسکی خوش مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ کیسا ہی خشک آدمی اُسکی مجلس مین شریک ہو
ممکن نہین کہ باغ باغ نہو جائے۔ مروت و رحم کا تو وہ پُتلا تھا جس شخص کی بھی
اُس تک رسائی ہو جاتی عمر بھر کے لیے فارغ البال ہو جاتا تھا اور جس دشمن نے
سر اطاعت اُسکے سامنے جھکایا اُسکا دریاے عفو و کرم جوش مین آیا اور اُسکو
اپنے اُمرائے خاص مین داخل کیا۔ کھانا صرف ایک وقت کھاتا تھا اور خواہشات
نفسانی کا بھی پابند نہ تھا۔ گو پڑھا لکھا نہ تھا مگر اپنا اکثر وقت علمی مجلسون اور ہر قسم
کی کتابونکے سُننے مین صرف کرتا تھا اور علما کی خواہ وہ کسی قوم اور مذہب کے
ہون بڑی قدر کرتا تھا۔ اُسمین مردم شناسی کا مادّہ اعلےٰ درجے کا تھا۔ اور انتخاب
کی یہ خوبی تھی کہ جو شخص جس کام کا اہل ہوتا تھا وہی اُسکے سپرد کیا جاتا تھا اور

اسی وجہ سے اُسکے منصوبے بہت کم ناکامی کی شکل دیکھتے تھے اور اسیکی بدولت وہ وہ جواہر بے بہا اُسکے دربار کی زیب و زینت کا باعث تھے جو وکرماجیت کے نورتن کو مات کرتے تھے۔ شکار کا بیحد شوق تھا اور ہاتھیون کا تو عاشق ہی تھا اور فن موسیقی کے رموز سے بھی ناواقف نہ تھا۔ تعمیرات عامہ کی طرف بھی بہت توجہ تھی اور بہت سے عالیشان قلعے اور عمارتین آجتک اُسکے حسن مذاق اور شاہانہ الوالعزمی پر شہادت دینے کے لیے موجود ہین۔ قدرت نے جیسا حسن سیرت سے آراستہ کیا تھا ویسا ہی حسن ظاہری بھی عطا فرمایا تھا۔ جہانگیر نے بیٹے کی محبت اور نقاش کے قلم سے اُسکی تصویر تزک جہانگیری مین کھینچی ہے جسکا ترجمہ ناظرین کی دلچسپی کے لیے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"بلند بالا۔ قد میانہ۔ گندمی رنگ۔ آنکھونکی پتلیان اور بھوین سیاہ۔ رنگت گوری تھی مگر اُسمین پھیکاپن نہ تھا۔ نمکینی زیادہ تھی۔ شیر اندام۔ سینہ کشادہ۔ چھاتا اُبھرا ہوا۔ دست و بازو لمبے۔ بائین نتھنے پر ایک مسّہ چنے کے برابر جسکو ماہرین فن قیافہ شناسی بہت مبارک سمجھتے تھے۔ آواز بلند اور گفتگو مین ایک خاص لوچ اور قدرتی نمکینی تھی اور سج دھج مین عام لوگونکو اُسنے کچھ مناسبت نہ تھی۔ شکوہ خداداد اُنکے چہرے سے ظاہر تھی"۔

آخر عمر مین نالائق اولاد نے اِس محب وطن بادشاہ کو بہت سے داغ دیے اور وہ اسی رنج و غم مین ۱۲ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ مطابق (ستمبر ۱۶۰۵ء) کو دُنیا ے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا اور سکندرہ کے عالیشان مقبرے مین اپنے پُرعظمت کارنامے ہمیشہ کے لیے یادگار چھوڑ کر دفن ہوا۔ اگرچہ اکبر مین چندرگپت کی شجاعت اور الوالعزمی۔ اشوک کی نیک نفسی اور انضباط قوانین۔ اور وکرماجیت کی شان و شوکت اور قدردانی علم و ہنر جمع تھے لیکن اُسنے جس کام کی بنیاد ڈالی تھی وہ ایک شخص کے بس کا نہ تھا اور چونکہ اُسکے جانشینون مین کوئی اُسکا ہمخیال پیدا نہ ہوا اِسلیے وہ پوری طرح پر بارور نہ ہوسکا لیکن پھر بھی اکبر کی پُرسوز کوششین بیکار نہ گئین اور یہ اُنھین کی برکت تھی کہ ہندو مسلمان باوجود حکام وقت کی بے پروائی کے نہایت سلوک اور اتفاق سے کئی صدیون تک رہے اور اب
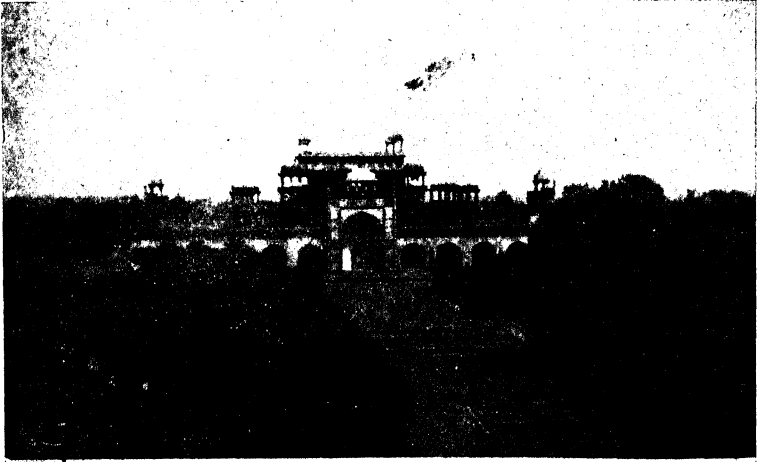
سکندرہ (مقبرہ اکبر)
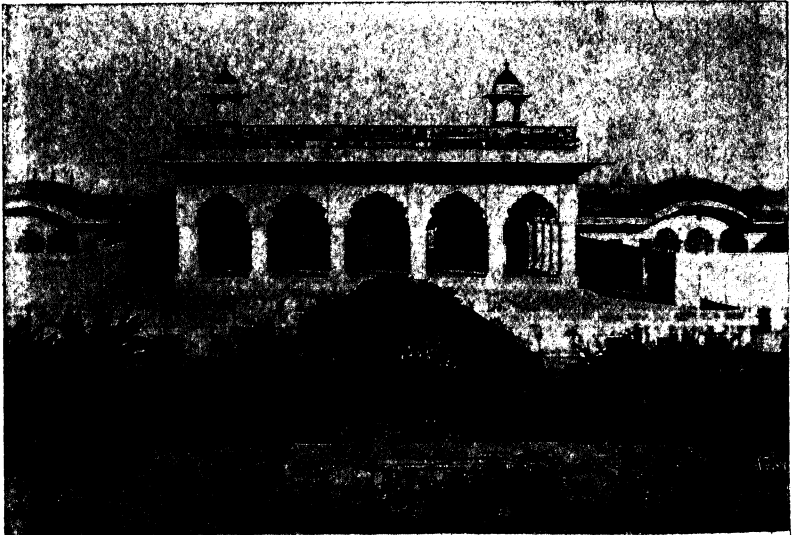
انگوری باغ (قلعۂ آگرہ)

اس زمانے مین بھی جبکہ اجزائے اختلاف ہر طرف سے جمع ہو کر ایک پُر سوز سیلاب کی شکل مین نمودار ہوا اور قومی اتحاد کی کشتی کو ڈبونے کے لیے بھائین بھائین کرتے بڑھ رہے ہین۔ اگر کوئی اُمید ہے تو اُسی کے مبارک نام سے ہے جو ہمارے بیڑے کو پار لگانے مین اسم اعظم کی تاثیر دکھائے گا۔ پس اے ہندو مسلمانو خواب غفلت سے بیدار ہو اُٹھو اور سکندرہ کی راہ لو تاکہ اُسکے مقدس مزار پر اگر ہم دو پھول چڑھائین تو اے ہندو بھائیو! تم بھی تھوڑا پانی ڈالکر اُسکی روح کو خوش کرو کیا عجب ہے کہ اُسکے فیضان سے ہمارے بے بنیاد اختلافات رفع ہو کر پھر یکجہتی کی صورت پیدا ہو جائے۔ افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ برٹش گورنمنٹ باوجود اجنبی ہونے کے اپنے آپ کو اُسکا قائم مقام اور اُسکی تقلید کو باعث فخر سمجھے لیکن تم اپنے محب وطن قومی بادشاہ کی قیمتی میراث کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو!!!

محمد عزیز مرزا

"اس زمانے کے ہندواور مسلمانون کے لیے اگر کوئی عہد ہے جسکی تقلید ملک کی بہتری اور خلق خدا کی آسودگی اور مختلف بلکہ متضاد مذہبون مین محبت و یگانگت پیدا کرنے کے لیے ضرور ہے تو وہ عہد اکبری ہے۔ اور اس بے نظیر مبارک عہد کے پیشرواور مرو میدان مسلمانون مین اکبر اور ہندؤن مین راجہ مان سنگھ ہین۔ تم دور اکبری کے اِن پاکیزہ نفسونکے حالات پر غور کرو اور انکو اپنا پیشرو بناؤ۔ اکبر اور مان سنگھ وہ شخص ہین کہ اگر اُنکے بسٹ بنواکر ہر قومی جلسے کو اُنسے زینت دیجائے تو دونون فریق مین اتحاد بڑھانے کی اچھی تدبیر ہے۔ بڑے غور کی یہ بات ہو کہ مان سنگھ نے یہ اتحاد اپنے دھرم کو پورے طور پر برقرار رکھکر قائم کیا۔ یہی خوبی ہے جو راجہ مان سنگھ کی بے انتہا عزت اور عظمت ہمارے دلونمین بٹھاتی ہے۔ مسلمانون اور ہندؤن کے مذہب مین ہزارون اُمور ہین جنکو دونون فریق نیکی سمجھتے ہین پس دینداربننے کیلیے ایسی ہی نیکیون پر عمل کرنا چاہیے۔ اخلاقی تاریخ مین اِن لوگون کے نام سُنہری حروف مین قیامت تک روشن رہینگے۔ اخلاق اور بے تعصبی اِنکے نام پر ہمیشہ پھول برسائیگی۔ اِنکا سرایسے پھولونکے ہارون سے سجا ہے جنکی مہک قیامت تک دماغ عالم کو معطر رکھے گی۔

آزاد

اکبر کی رُوحانیت

تواریخ عالم پر نظر ڈالین تو معلوم ہوتا ہے کہ جن قوتون نے قومون کی تاریخ کو بنایا ہے اور جنکی بدولت زمانے مین وقتاً فوقتاً بڑے بڑے انقلاب ظہور مین آئے ہین۔ اُنمین شاید سب سے زبردست قوت۔ قوتِ روحانی ہے۔ دُنیا بھر کے نامورون کے حالات اسکے شاہد ہین کہ اُنکی کامیابی کا سارا نہین تو آدھا راز یہی پُرزور قوت تھی۔ بانیان مذاہب اور اولیاء کے متعلق تو اِس مسئلے کے تسلیم کرنے مین کسی کو بھی عذر نہو گا۔ لیکن اُن بزرگون کے متعلق جنکی کامیابی نے دُنیاوی جاہ وجلال کی صورت اختیار کی۔ بہت کم لوگون کو یہ خیال آتا ہے کہ اِس کامیابی مین اُنکی روحانی قوت کا کسقدر حصّہ تھا۔ مگر ذرا غور کرین تو یہ بات آسانی سے سمجھ مین آسکتی ہے۔ بہ ظاہر سب انسان یکسان ہین۔ ہر شخص وہی دو ہاتھ وہی دو پاؤن وہی دو کان وہی دو آنکھین وہی ایک دماغ رکھتا ہے۔ قوائے ذہنی مین گو تفاوت بعض حالات مین نمایان ہوتا ہے۔ تاہم وہ اسقدر نہین ہوتا کہ کامیاب آدمیون کے کارنامے سب اُسکی طرف منسوب کیے جاسکین۔ جستجو پیدا ہوتی ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جسکی تاثیر سے ایک مرد خدا ہزارون لاکھون انسانون کو اپنا پیرو بنا لیتا ہے۔ وہ کونسا جادو ہوتا ہے جسکی وجہ سے اُسکی بات اورون کی باتون پر غالب آتی ہے۔ وہ کیا اعجاز ہے جسکی وجہ سے ایک شخص لوگون کے دلون مین سما جاتا ہے اور ایسا گھر کر لیتا ہے کہ وہ اُسکے نام پر جانین فدا کرنے کو آمادہ ہو جاتے ہین۔ وہی بےنظیر قوت ہے جسکا نام ہم "روحانیت" رکھ سکتے ہین۔ گو وہ ایسی چیز ہے کہ انسانی الفاظ اُسکی صحیح تعریف و توضیح نہین کرسکتے۔ "روحانیت" کے منکر اُسے "قوتِ ارادی" کہتے ہین۔ اور ایسا دونون کے بین بین ایک مسلک ہے جو اِسے "قوت قلبی" کہنا پسند کرتا ہے۔ مگر ہمین نام سے بحث نہین۔ جو نام کسی کو پسند ہو استعمال کرے۔

اصلیت سے غرض ہے جسکا انکار کسی سے بن نہین پڑتا ۔ اِسلیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی پائدار شہرت اور اُسکے زمانۂ تاجداری کی ممتاز کامیابی کی تحسین کرتے وقت ہم اِس بات کی بھی تحقیق کرین کہ اُسنے کِس جادو سے کام لیا تھا ۔

یہ تو ہم سب جانتے ہین کہ اکبر کے عہد مین سلطنت مغلیہ ہندوستان کے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک پھیل گئی تھی ۔ ہمین یہ بھی معلوم ہے کہ اُسکی حکومت مین اہل ہند یہ بھول گئے تھے کہ حکومت کسی بیرونی قوم کی ہے ۔ اور ہندو مسلمانون کی پُرانی رقابت یگانگت سے بدل گئی تھی ۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ اُسکے وقت مین رعایا خوشحال اور مطمئن تھی ۔ ہم یہ بھی سُنتے ہین کہ اطراف عالم سے قابل اور دانا لوگ اسکے دربار کیطرف کھنچے آتے تھے اور آکر وہین کے ہو رہتے تھے یہ بھی تواریخ مین مذکور ہے کہ جس جس کو حضوری کا موقع ملتا تھا وہ اِسقدر گرویدہ ہو جاتا تھا کہ بعد ازان کوئی اور اُسکی نظر مین نہ جنچتا تھا ۔ مگر ہم یہ پوچھنا چاہتے ہین کہ کیا یہ سب نتائج محض اُسکی دانشوری اور مشہور حکمت عملی سے ہی پیدا ہوے تھے ۔ یا کوئی اور قوت پسِ پردہ کام کر رہی تھی جسکا موجودہ مورخون نے کافی طور پر اعتراف نہین کیا ؟ میرے خیال مین اِس سوال کا جواب وثوق کے ساتھ دیا جا سکتا ہو کہ اکبر کی کامیابی صرف ہمت اور عقل اور حکمت کی کامیابی نہ تھی ۔ بلکہ اِنکے ساتھ ایک اور قوت اپنا اثر ڈال رہی تھی جسکی طرف اِس زمانے مین لوگونکا خیال آسانی سے منتقل نہین ہوسکتا ۔ حکمت عملی کی آپ جسقدر چاہین داد دین ۔ مگر وہ آخر حکمت عملی ہی ہوگی صداقت جو اصل باعثِ تاثیر ہے وہ اُسمین کہان سے آسکے گی ۔ اور یہ ماننا پڑیگا کہ اکبر کی حکمت صداقت کا جوہر ساتھ لیے ہوے تھی ورنہ اِتنے نامور ہندو صدیون کی لڑائی چھوڑکر اُسکے فدائی نہ بنتے ۔ اور بیگانگی کو یگانگت سے بدلنے پر دل سے آمادہ نہو جاتے ۔ وہ حکمت عملی سے کام لیتے اور ظاہرداری کا تعلق نباہتے ۔ مگر جو دلی خلوص اور اتحاد اکبر اور اُسکے دربار مین نظر آتا ہے اُسکا کہین نشان بھی نہ ملتا اکبر نے لوگون کے دلون پر حکومت کی ہے اور یہ وہ حکومت ہو جو بغیر قوتِ باطنی کی امداد کے غیر ممکن ہے ۔

اکبر کی زندگی کے اِس پہلو کو جسپر ہم بحث کر رہے ہین آجتک بہت کم

لوگوں نے سمجھا ہے۔ کوئی تو یہ جانتا ہے کہ اُسنے ملکداری کو مذہب پر مقدم رکھا اور ہندوؤں کے ساتھ اخلاق برتنے۔ اُنکی رسوم مذہبی مین سے بعض کی تعظیم کرنے اور بعض کو اختیار کرنے سے اُسکا مقصد اُنکو یہ تقاضاے ضرورت اپنا بنا لیا تھا۔ اور اس مقصد کے حصول مین اُسنے پروا نکی کہ اسکے اپنے مذہب کی رُو سے اُن رسوم کا لینا کہانتک جائز اور مناسب ہے۔ کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مذہب کے قید سے بالکل آزاد تھا اور اسلیے جو جی مین آتی تھی کرتا رہتا تھا۔ کوئی سمجھتا ہے کہ وہ ہر مذہب سے اپنی پسند کے اصول نکالکر ایک نئے مذہب کی بناڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا مگر روحانیت مین ڈوبا ہوا مسلمان۔ اور اُس درجے پر پہونچا ہوا تھا جسمین انسان صورت سے تجاوز کرکے معنی مین جا گھستا ہے۔ ظاہر سے مستغنی اور باطن کا جویان ہوتا ہے اور عالم کی حقیقت اُسپر کُھلجاتی ہے۔ اُس حالت مین اسکی بے تعصبی اصلی بے تعصبی ہوتی ہے۔ اُسمین بناوٹ کی آمیزش نہین ہوتی صرف "بنی آدم اعضاے یکدیگر اند" کا مسئلہ پوری طرح اسکی سمجھ مین آجاتا ہے بلکہ "یک اند" اُسکا مذہب ہوتا ہے اُسوقت اسکی محبت اپنے بنی نوع کے ساتھ عام ہوتی ہے۔ اُسمین کسی رنگ اور نسل اور عقیدے کی تخصیص نہین ہوتی اور وہ سچے دل سے اپنے سب بھائیون کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس درجے پر پہونچکر یہ تعمیم اُسے اپنے مذہب سے خارج نہین کرتی۔ اگر ہندو ہے تو باوجود مسلمان یا عیسائی کی سچی ہواخواہی کے وہ سچا ہندو رہ سکتا ہے۔ اور اگر مسلمان ہے تو باوجود ہندو یا عیسائی سے یگانگت رکھنے کے وہ سچا مسلمان رہ سکتا ہے۔ اور اپنے قلب کے نور سے دوسرون کو منور کرسکتا ہے۔ جیساکہ قدرت کے انوار ظاہری کی چمک مین تخصیص کی گنجائش نہین۔ جیسے آفتاب ہر کہ ومہ پر یکسان چمکتا ہے۔ جیسے چاند اپنی روشنی مین بخل کا روادار نہین۔ اسی طرح قدرت کا یہ باطنی نور سب پر یکسان اثر ڈالتا اور سب کو یکسان مستفید کرتا ہے۔ ہان اتنا فرق ضرور رہجاتا ہے کہ ؎

برہمہ عالم ہمے تابد سہیل ... جاے انبان میکند جائے ادیم

مگر اس سے اُس نور کی تعمیم مین کوئی فرق نہین آتا۔ یہی وہ رنگ تھا جسمین اکبر مستغرق تھا اور اُسکے ساتھ اُسکے چیدہ مشیر اور رفقاء اسمین شریک تھے اور اسیکا پرتو

اُسکے انتظام سیاسی کی "صلح کل" خصلت مین نظر آتا ہے۔
ظاہر ہے کہ اکبر کے متعلق یہ دعویٰ غیر معمولی ہے۔ مگر یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ بے دلیل نہین۔ اُسکے اہلِ دربار کے اقوال و افعال سے اسکی شہادت ملتی ہے۔ اور یہ شہادت اُس عہد کی کتابون مین اس تواتر کے ساتھ مندرج ہے کہ یہ خیال کرنے کی گنجائش نہین رہتی کہ کسی نے ازراہِ خوشامد اُس عالی رتبہ بادشاہ کے ساتھ ایک ایسی صفت منسوب کردی ہو جو درحقیقت اُسمین موجود نہ تھی۔ ابوالفضل جسنے اکبر کے حالات شرح و بسط سے قلمبند کیے ہین اور جو عموماً روزمرہ کے حالات اور کیفیات بر وقت وقوع قلمبند کرلیا کرتا تھا۔ جابجا صاف اشارات اکبر کے صاحب باطن ہونیکی طرف کرتا ہے اور وہ اشارات ایسے ہین کہ محض تعریف و توصیف کے شوق کا نتیجہ نہین قرار دیے جا سکتے۔ اول تو معمولی طور پر بادشاہ کے لیے یہ کوئی تعریف ہی نہین سمجھی جاتی کہ وہ "درویش صفت" ہے۔ دوسرے اگر ہو تو ایسے الفاظ مین کم ادا کیجاتی ہے۔ ابوالفضل ایک جگہ لکھتا ہے ؎

مایۂ درویشی و شاہی درو مخزنِ اسرارِ الٰہی درو

پہلے مصرع مین جن دو صفات کا اجتماع ہے وہ ایک ہی شخص مین کم جمع ہوتے ہین۔ مگر میرا عقیدہ ہے کہ اکبر مین موجود تھین۔ اور انھین کے جمع ہونے کا نتیجہ تھا کہ اُسنے ایسا نیک نام دنیا مین چھوڑا اور زندگی بھر اِس قدر خلق خدا کو نفع پہونچایا۔ اگر وہ نرا درویش ہوتا تو اُس سے یہ بھاری بوجھ ملکداری کا نہ اُٹھ سکتا اور اگر وہ نرا بادشاہ ہوتا تو وہ اِتنا کامیاب اور ایسا صاحب اثر نہ ہوتا۔ ابوالفضل کی تحریرات کو جو کوئی غور سے پڑھے اور اُنمین گہرا تصوف اور فلسفہ بھرا ہوا دیکھے۔ وہ اِس اعتراف پر مجبور ہوگا کہ ابوالفضل خود راہ تصوف کا باخبر سالک تھا اور اسکو خدا نے وہ آنکھ دی تھی جس سے ہم سفر کو پہچان سکے اور اِسلیے اُسمین اور اکبر مین صرف وزیر اور بادشاہ وفادار ملازم اور قدرشناس آقا کا رشتہ نہ تھا۔ بلکہ میدان سلوک کی رہ نوردی مین ہمسفر ہونا دونون کے اُس گاڑھے تعلق کا باعث تھا جس کے بیشمار ثبوت عہد اکبری کی تاریخ کے مطالعے سے ملتے ہین۔ پس اُسنے اکبر کی ذات کے اِس خاصے کے اظہار مین ہمین ایک بڑا راز بتادیا ہے اور ایک ایسا خیال ظاہر کیا ہے جو

اکبر کے اہل دربار مین عموماً مقبول تھا اور کیون نہ ہوتا۔ اُنکو ہر گھڑی اکبر کی باخبری کے ثبوت ملتے رہتے تھے۔ دیکھنے والون نے عجیب عجیب روایتین لکھی ہین۔ اُنکی تفصیل کی نہ یہان ضرورت ہے نہ گنجائش۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ لکھنا کافی ہے جو اکبر کے سفر کشمیر مین پیش آیا۔ وہان پہونچنے سے پہلے اطلاع مل چکی تھی کہ وہان کے حاکم نے جسکا نام مرزا یوسف خان تھا۔ ایک دن مستی مین اپنے ہان کی ایک عورت کو کسی کوٹھے سے گرانے کا حکم دیا تھا۔ اور اسطرح اُس غریب کی جان لی تھی۔ جب سری نگر پہونچے تو ایک دن وہان کی سیر مع اہل دربار کے کرتے ہوے اکبر نے ایک کوٹھی کی طرف دیکھا اور کہا "ضرور اسی کوٹھے سے یوسف نے اُس بیگناہ کو گرایا ہوگا" اور بعد مین تحقیقات کی گئی تو وہی بات نکلی۔ یہ تو روزمرہ کے واقعات تھے جنکا کبھی خیال کیا جاتا تھا اور کبھی نہین۔ اور ہمین انسے اکبر کے حق مین کوئی قطعی استدلال مطلوب نہین صرف اتنا ظاہر کرنا ہے کہ اُسوقت کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُسے غیب دانی مین دخل ہے۔ مگر ایک اور شہادت اسی سفر کشمیر مین ملتی ہے۔ جو زیادہ قابل غور ہے

یہ تو عام طور پر مشہور ہے کہ اکبر کو فقرا کی خدمت مین حاضر ہونے اور اُنسے حصول فیض کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ سلیم چشتی سے اسکی عقیدت اور انکے نام پر جہانگیر کا نام سلیم رکھنا مسلمہ واقعات ہین۔ مگر یہ شوق اُسمین شغف کے درجے پر تھا۔ جہان کسی باکمال کی خبر پاتا۔ وہین پہونچتا۔ اور وہان پہونچکر اپنی شاہی اور اپنی ظاہری شان کو اُسوقت کے لیے الگ رکھ دیتا اور ایک عام طالب کی حیثیت سے التماس دُعا کرتا۔ اِسلیے اُسے اِس شوق مین وہ جوابِ تلخ نہین سُننا پڑا۔ جو سکندر اعظم کو دیوجانس کی زیارت کے شوق مین سُننا پڑا تھا۔ جب حکیم نے بگڑ کر کہا کہ "ذرا دھوپ چھوڑ کر کھڑے ہو جاؤ"۔ سکندر حکیم سے پوچھنے گیا تھا کہ اگر کوئی آرزو ہو تو پوری کر دیجائے اور اکبر فقیرون کے روبرو اپنی آرزو پیش کرتا تھا۔ مگر وہ آرزو طلبِ جاہ یا توسیع ملک نہ ہوتی تھی۔ وہ کسی اور ہی محکمے سے متعلق ہوتی تھی۔ سفرِ کشمیر مین ایک بزرگ کا حال اُسے معلوم ہوا۔ اُسکے سلام کو گیا۔ وہان جو گفتگو ہوئی اُسکا بیان ابوالفضل کے پاکیزہ الفاظ مین سُنیے:-

"فرمودند (یعنی اکبر) ہمگی بسیچ آنست کہ بہ اندازۂ توانائی گرامی انفاس

در رضامندی ایزدی شمرده آید۔ و در شغل جہانبانی سر رشتۂ بالیست از دست نه رود۔ امید که آن روشن ضمیر در انجام این خواہش ہمت گمارد"

"برگزارد (یعنے درویش جواب داد) لختے از والا پائگی خدیو عالم آگہی وارد۔ صوری شکوه نقابے است بر حسن روز افزون معنوی۔ دیرین آرزو در سرکه از ان خدیو صورت و معنی دریوزۂ فیض کنم"

وہ پاک باطن پہچان گیا کہ یہ جامع کمالات شخص بادشاہی کے بھیس مین درویشی کر رہا ہے۔ نرا بادشاہ ہی نہین ہے۔ اور اسلیے کہنے لگا کہ مین تو آپ کا منتظر تھا کہ آپ ملین تو کچھ آپ سے لون۔ یہ قول ایک ایسے شخص کا ہے جسکی حالت کی تفصیل یہ کی ہے کہ کسی سے سوائے روٹی کے ٹکڑے کے کبھی کچھ لیتا نہین تھا اور ایک پھٹی پرانی گدڑی مین لپٹا ہوا تھا۔ جسے اکبر نے بلا بھیجا تو آنے سے عذر کر چکا تھا اور جسے نہ کسی کی خوشامد مقصود تھی نہ پروا۔

کتنے بادشاہ دُنیا مین ایسے ہین جو ایسے رُتبے پر پہونچکر اتنی بڑی سلطنت کو قابو مین رکھکر کرورون بندگان خدا پر حکومت کرتے ہوے ایک گدڑی پوش کے پاس آپ چلکر جا سکین اور جا کر یہ سوال کرین کہ آرزو ہے تو یہ کہ جہانتک ہو سکے زندگی کے دم خدا کی رضامندی مین کاٹے جائین۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے کام کی مصروفیت مین فرض کا سر رشتہ ٹوٹ جائے۔ آپ سے التماس یہ ہے کہ اس مطلب کے حصول کے لیے دُعا فرمائین"۔ کونسی چیز تھی جو ایسے عالی دماغ۔ ایسے مدبر۔ ایسے منتظم۔ ایسے ذیجاہ کی گردن باخدا دلق پوشون کے سامنے جُھکا دیتی تھی۔ کونسا شوق تھا جو اُسے اُنکی تلاش مین سرگردان رکھتا تھا۔ کونسی ضرورت تھی جو وہ اُنکی ملاقات سے پوری کرتا تھا۔ اور کس چیز نے اسکے انتظام اور حکومت مین خدا ترسی اور رعیت پروری اور صلح کل کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھر دیے تھے۔ یہ سوالات ہین جنکا جواب اُسی "روحانیت" کے ایک لفظ سے دیا جا سکتا ہے اور وہی میرے نزدیک اکبر کی کامیابی کی کلید تھی۔

عبدالقادر

نیرنگئ قدرت کا ایک حیرت خیز نمونہ وہ شخص انسانی تھا جو اکبر شاہ کے نام سے شہرۂ روزگار ہوا۔ ایک ان پڑھ مغل کا لڑکا تیرہ برس کی عمر مین ایک نام کی سلطنت آئے تخت پر قدم رکھتا ہے۔ اس سلطنت کی وسعت یہ تھی کہ اُسکی کسی سرحد سے دلی دور نہ تھی اور حالت یہ کہ ملک زبردست دشمنون (ہیمون بقال وغیرہ) سے گھرا ہوا تھا۔ دربار سرکش مدعیان قوت (بیرم خان خانخانان وغیرہ) کے ہاتھ مین تھا۔ جب ۵۰ برس کی تخت نشینی کے بعد تختے کی نوبت آئی تو سلطنت اکبری بدخشان سے آسام تک اور کشمیر سے دکن تک پھیلی ہوئی تھی۔ پھیلاؤ وہ نہین جو اُسکے نامور مورث تیمور کے ملک کا تھا کہ تخت نشین کے مرتے ہی تخت کا تختہ تختہ بکھر گیا۔ بلکہ وہ پھیلاؤ جو ہمالیہ کی چٹانون کا ہے۔ جو جوڑ اُسنے لگادیے تھے وہ اُسوقت تک نہ اُکھڑے جب تک کہ خود اُسکے جانشین اُنکے جڑ سے اُکھاڑ ڈالنے کی قسم نہ کھا بیٹھے۔ انتظام ایسا کہ جڑ سے لیکر کل تک آئین اور ضابطے کی زنجیر مین جکڑا ہوا تھا۔ ابوالفضل کی جادو نگاری کی تصویر آئین اکبری دیکھو۔ جہان صوبون کے انتظام کے آئین دیکھوگے وہان اونٹ کی ناک مین تیل ڈالنے کا قاعدہ بھی نظر آئیگا۔ قصہ مختصر کیا بلحاظ وسعت و قوت اور کیا بلحاظ انتظام و آئین ایک ایسی سلطنت اس ان پڑھ مغل نے چھوڑی جسکی نظیر بحیثیت مجموعی تاریخ عالم مین کمتر نظر آتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بےنظیر سلطنت کے قائم ہونے کا اصلی سبب کیا تھا۔ راحت پسند دماغ اس معمے کو یون آسانی سے حل کر دیتے ہین کہ اکبر کو آدمی اچھے ملگئے تھے۔ گویا یہ عظیم الشان سلطنت ایک حسن اتفاق کا نتیجہ تھی۔ یہ ایک قسم کا ظلم ہے جو اُس والا مرتبہ بادشاہ کی نام آوری کے ساتھ کیا جاتا ہو۔ اس سوال کا

صحیح جواب یہ ہے کہ یہ سلطنت اُس بےنظیر قوت تربیت کا نتیجہ تھی جو اکبر کی ذات مین قدرت نے فیاضی سے ودیعت رکھدی تھی۔ یہ وہی قوت تربیت تھی جسنے رفتہ رفتہ ایک چھوٹی سی حکومت کو عظیم الشان سلطنت بنا دیا۔ جسنے ابوالفضل و مان سنگھ سے ارکین سلطنت بنا کر اُنسے سلطنت کے وہ کام لیے جو تاریخ کے کارنامے بن گئے۔ جسنے کسی فن اور ہنر کو ترقی و تہذیب سے محروم نہین چھوڑا اور بالآخر جسنے خود اکبر کی ذات کو بھی جنتر مین کھینچکر سب بل نکالدیے۔

اُمراے اکبری کے سرتاج وہ امیر ہین جنکا نام نورتن کے لقب سے جہان مین روشن ہے۔ انمین بھی جو سب سے زیادہ مقرب تھے وہ ابوالفضل اور فیضی تھے۔ فیضی دربار اکبری مین باریاب ہوا تو اُسمین ایک ہونہار فارغ التحصیل طالبعلم سے زیادہ کوئی حیثیت نہ تھی۔ اُسکی یہ حالت تھی کہ طبابت کے ذریعے سے بدقت اوقات بسر ہوتی تھی۔ اور کچھ ارضی بطور مدد معاش حاصل کرنے کی کوشش مین اہلکارون کی جھڑکیان اُٹھا چکا تھا۔ ۱۹ برس کی عمر مین بادشاہ کا مجرائی ہوا۔ اٹھارہ برس کے بعد ۳۰ جلوس مین اُسکو ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ ابوالفضل کو ۱۵ جلوسی مین فیضی کی وساطت سے ۲۰ برس کی عمر مین شرف حضوری حاصل ہوا جس حال مین دربار مین پہونچا اُسکو خود بیان کرتا ہے کہ رعونت مُلایانہ سے دماغ معمور تھا اور تنگدلی سے سینہ تاریک۔ وسعت خیال اور بےتعصبی کے انوار فیض شاہی سے اُسکے دل و دماغ پر جلوہ گستر ہوے۔ ایک ملای خشک کسطرح علامی ابوالفضل بنگیا اسکی داستان تاریخ اکبری مین پڑھو۔ اور دیکھو کہ اکبر نے کسطرح اُس سے سیف و قلم کے کام لیے۔ جو زمانہ سلطنت اکبری کا ان دونون بھائیون کی باریابی سے پہلے گذرا وہ یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ اکبر اکبر ہے۔ بیرم خان خانخانان کا مع دیگر اُمراے ترکمانی خاتمہ کردیا گیا تھا۔ ادہم جو بیرم کے توڑنے مین قوت بازو تھا جب ہواے خودسری کے جھونکے نہ سنبھال سکا تو خود اُڑا دیا گیا۔ راجہ ٹوڈرمل کی جوہر دماغی عیان ہوچکی تھی۔ راجہ بھگوانداس اور راجہ مان سنگھ شرف تقرب و اختصاص حاصل کرچکے تھے۔ اور اُنکی کارگذاریان جریدۂ عالم پر نقش ہوتی جاتی تھین۔ اور اسطرح شاہانہ تدبیر ایک عظیم الشان مسئلہ حل کرچکی تھی۔ مالوہ کی ایلغار ہوچکی تھی چتور۔ کالنجر۔ اور رنتھمبور وغیرہ حصار سنگین فتح ہوچکے تھے قصہ مختصر

عزم اکبری کے سامنے خاموش وگویا دونون توتین سر جھکا چکی تھین - خانخانان کی حشمت دیکھو باپ نے اُسکو چار برس کا چھوڑا تھا جب محمد امین دیوانہ اور چند دائین اُسکو دربار شاہی مین لائی ہین تو شکستہ حالی مین مبتلا تھا - اکبر کی دوربین نظر نے یہ کہہ لیا کہ یہ ایک روز خانخانان ہوکر نورتن کا بیش بہا نگینہ بنے گا - بدگویون اور بداندیشون نے نقش زنی کی لیکن بے سود - شاہی شفقت کے آغوش مین پلا - پہلے میرزاخان - پھر خانخانان بنا - فتح اللہ شیرازی ہی ایران مین پیدا ہوا بڑھا اور پڑھا لیکن کسی نے نہ پہچانا - دکن کے دربار نے قدر کی لیکن وہان بھی فتح اللہ شیرازی نہ تھا - یہ جوہر یہان آکر کھلے کہ مستوفی الممالک راجہ ٹوڈرمل کا دست وبازو بنکر سلطنت کے مالی امور کا نظم ونسق درست کریگا - ماثرالامرا مین لکھا ہے کہ تیسوین سال جلوس مین فتح اللہ کو امین الملک بناکر حکم دیا کہ راجہ ٹوڈرمل مہمات ملکی ومالی اُنکے مشورے سے طے کرین - اور پرانے معاملے جو مظفر خان کے عہد سے اُلجھے پڑے تھے اب فیصل کردیے جائین - میر موصوف نے چند ضابطے بہبودی سلطنت اور بہتری رعایا کے بناکر حضور شاہی مین پیش کیے جو پسند ہوے اور اُنکے صلے مین عضدالدولہ کا خطاب عطا ہوا - میر فتح اللہ کا قول تھا کہ " اگر درخدمت این کثرت آرائے وحدت گزین نمے رسیدم راہے بایزد شناسی نمی بُردم " ٹوڈرمل لاہور کا کھتری تھا - ماثرالامرا کے مولف نے لکھا ہے کہ اکبر کے فیض تربیت سے اُسنے بڑی ترقی پائی اور چار ہزاری منصب پاکر درجۂ امارت وسرداری پر فائز ہوا - کام لینے کی قابلیت دیکھیے - گجرات فتح کیا تو وہان کی تشخیص جمع ٹوڈرمل کے سپرد کی - جب بنگالہ کی مہم خانعالم اور خانخانان سے باوجود کوشش سر نہو سکی تو ٹوڈرمل کو جرنیل بناکر بھیجا - اور اس مہم کے سر کرنے کا سہرا اُسکے سر رہا - ایکبار نہین ایسا بارہا ہوا کہ قلم رکھکر اُسنے تلوار پکڑی تو میدان جیت کر آیا اور جب تلوار رکھکر قلم لیا تو میدانِ کاغذ مین جوہر قابلیت دکھائے -

یادش بخیر راجہ بیربر - مہیس داس نام برہمن پشتینی بھاٹ تھا - اکبری دربار مین مہیس داس سے کب رائے ہوا - کب رائے سے راجہ بیربر بنا - خطاب کا راجہ نہین جاگیردار - نام بیربر نہین - شیر میدان - نگرکوٹ کے راجہ سے مزاج شاہی برہم ہوا تو یہ اُسکی سرکوبی پر مامور ہوے - آخر مین بیربر کی تلوار یوسف زئیون کے ملک مین جاکر

تھی۔ راجہ مان سنگھ کو حضوری اُسوقت حاصل ہوئی تھی جب وہ اور اُسکا باپ دونون کنور تھے۔ اور مان سنگھ کا دادا راجہ بہاڑامل آمیر کی گدی پہ تھا۔ اِس واقعے کے چودہ برس بعد راجہ بھگوانداس کو موروثی گدی ملی تھی۔ مان سنگھ ہنوز کنور تھا کہ بڑی بڑی مہین سر کر لین۔ ایک روز ہم اُسکو مغرب مین کابل کا صوبہ دار دیکھتے ہین تو دوسرے روز مشرق مین بنگالہ پہ حکومت کر رہا ہے۔ شان شوکت کا یہ عالم کہ اُسکے بھاٹ کے پاس سو ہاتھی تھے کبھی خطاب فرزندی پایا اور کبھی میرزا راجہ بنا۔

آدمیون سے گذر کر علوم و فنون کو دیکھیے۔ ہر قسم کے کمال و اہل کمال کی جیسی سرپرستی اکبر نے کی ویسی اچھے دور کے کسی دربار نے نہین کی۔ قوت تربیت کا اثر ملاحظہ ہو۔ جو ایرانی شعرا ہندوستان مین آئے اور تربیت دربار سے فیضیاب ہوے اُنکے کلام کو اُن ہمعصر شاعرون کا کلام نہین پہونچتا جو ایران مین رہے نظیری۔ ظہیری۔ عرفی۔ غزالی مشہدی۔ طالب آملی کا جواب متاخرین وہان ہو تو دکھاؤ۔ محتشم ہندوستان نہین آیا۔ باوجود اُستادی ؏ ورائے شاعری چیزے دگر ہست۔ اُسکے کلام مین پیدا نہوئی۔ دیکھ لو شیخ علی حزین کلام محتشم کی بے نمکینی کا شاکی ہے۔ آئین اکبری دیکھو ہر فن کی تربیت کے قاعدے جزو سلطنت تھے بطور مثال دو فن لطیف لیجیے تصویر۔ اور مثال باغی۔ تصویر۔ ابو الفضل لکھتا ہے۔ ابتدا سے بادشاہ کو اس فن کا شوق ہے۔ اور توجہ شاہانہ اُسکے رواج اور تکمیل کی جانب مائل ہے اِس توجہ کے اثر سے اس فن کو خوب ترقی ہے اور ایک گروہ نامور مصورون کا ملک مین موجود ہو گیا ہے۔ داروغہ اور تکچی مامور ہین کہ ہفتہ وار ایک مصور کا کام نظر شاہی مین پیش کرتے رہین۔ ہر ایک کا ہنر جانچا جاتا ہے جو قابل انعام ٹھہرتے ہین اُنکو انعام عطا ہوتا ہے۔ جسقدر اُنکی مہارت ترقی کرتی جاتی ہے اُسی انداز سے ماہوارین اضافہ فرمایا جاتا ہے۔ رنگ آمیزی مین اور ہی حسن پیدا ہو گیا ہے۔ ہنرمندان شیرین کار نے بہزاد و اہل فرنگ کی مصوری سے (جو شہرۂ روزگار ہے) اپنے مرقعہ ملا دیے۔ نازکی نقوش کی صفائی۔ ہاتھ کی قوت اور دیگر صفات مرتبۂ کمال کو پہونچ گئی ہین۔ اِن خوبیون کے اثر سے بیجانون کی تصویر مین وہ تازگی و رونق پیدا ہو گئی ہے جو جاندارون کی تصویر مین ہوتی ہے۔ سو سے زائد درجۂ کمال حاصل کر چکے ہین جو قریب بکمال ہین یا نصف راہ طے کر چکے ہین وہ بہت ہین۔ میر سید علی سرگروہ

مصور رہے ہے۔ یہ فن تھوڑا سا اُسنے اپنے باپ سے سیکھا تھا۔ دربار مین پہونچکر شاہی عاطفت کی بدولت کمال و ناموری کی دولت سے مالا مال ہوا۔ خواجہ عبد الصمد شیرین قلم شیرازی ہے۔ اِس فن کو پہلے بھی جانتا تھا۔ لیکن شاہی نظر کے فیض سے اُسکا اور ہی عالم ہو گیا۔ اِس واقعے کو غور سے پڑھو۔ دسونتا ایک کہار کا لڑکا تھا جو اِس کارخانے کی خدمت پر مامور رہتا۔ دیکھتے دیکھتے وہ بھی لگا کیل کانٹے کاڑھنے۔ بادشاہ نے ایکروز اُسکو دیوار پر نقش بناتے دیکھکر سمجھ لیا کہ اِسکے ہاتھون مین قابلیت ہے۔ خواجہ عبد الصمد شیرین قلم کے سپرد کیا گیا۔ چند ہی روز مین خوبی تربیت سے اُستاد بنگیا۔ آخر جنون یہ رنگ لایا کہ اُسنے خودکشی کرلی۔ بہت سے نادر مرقعے یادگار چھوڑے۔ بساون چہرہ کشائی رنگ آمیزی اور ہوبہو تصویر اُتارنے مین یکتا ہے۔ کیسو۔ لعل۔ کمند۔ مشکین فرخ قلماق۔ مادھو۔ جگن۔ مہیس۔ کھیم کرن۔ تارا۔ سانولا۔ ہربنس۔ رام۔ اِس فن مین سر آمد زمانہ ہین۔

شال بافی۔ مورخ ممدوح کا بیان ہے کہ اِس فن مین حسب ذیل ایجاد بادشاہ نے کیے ہین۔ طوس عہد سے پہلے صرف ایک رنگ کا ہوتا تھا (جو پشم کا قدرتی رنگ ہے) اب متعدد رنگ کا ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ سُرخ رنگ کو یہ پشم قبول نہین کرتی۔ طرحدار صرف چار رنگ کا ہوتا تھا۔ بادشاہ نے بہت سے رنگ اضافہ کر دیے ہین۔ زردوزی کلابتون۔ قلغہ۔ باندھنون چھینٹ۔ الچہ اور زردار یہ سب ایجاد اکبری ہین۔ پہلے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بُنے جاتے تھے۔ اب طول اور عرض مین ترقی دیکر اُنکو جامہ رس بنا دیا گیا زمانہ سابق مین شال کشمیر سے کم کم آتی تھی۔ اور کمیابی کی وجہ سے لوگ احتیاطاً چار تہ کرکے اُوڑھتے تھے۔ اب بکثرت آتی ہے اور بڑے چھوٹے سب بے تہ کیے اوڑھتے ہین۔ توجہ شاہی سے نہ صرف کشمیر مین شال بافی کو ترقی ہوئی بلکہ لاہور مین ایک ہزار سے زائد کارخانے قائم ہین۔ یہ ایجاد بھی ہوا ہے کہ زری کے تانے اور پشم کے بانے سے شال بُنی جاتی ہے۔ مایان اُسکا نام رکھا گیا ہے عمامے اور کمر کے پٹکے اُسکے بنتے ہین۔

اکبر نے خود اپنی تربیت کسطرح کی اُسکو بھی مختصراً بیان کرنا چاہیے۔ بہت بڑا ذریعہ وہ بینظیر مجمع تھا جو ہر طبقہ اور ہر فن کے اہل کمال کا تخت شاہی کے گرد رہتا تھا۔ اکبر کشادہ دلی اور توجہ سے ہر ایک کے علم سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔ مختلف خیالات کو

باہم ٹکرایا جاتا تھا۔ علمی مسئلون کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ اسطرح ہر قسم کی معلومات کا ذخیرہ اکبر نے اپنے دماغ مین فراہم کرلیا تھا۔ ایک وقت کتاب سُننے کا مقرر تھا۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ شاہی کتب خانے کے دو حصے ہین۔ کمتر کتابین باہر رہتی ہین زیادہ محل شاہی مین ہندی فارسی۔ یونانی۔ عربی۔ اور کشمیری زبان کی نظم و نثر کتابین کتابخانۂ شاہی مین فراہم ہین تجربہ کے ساتھ ہر روز فہرست ملاحظہ مین پیش ہوتی ہے۔ بادشاہ جس کتاب کو سُنتا ہے اول سے آخر تک سُنتا ہے۔ جہانتک کتاب سُن لی جاتی ہے خود بدولت اپنے ہاتھ سے اُس مقام پر نشان ہندسہ بنا دیتے ہین۔ سُنانے والا جسقدر ورق سُناتا ہے اُسی قدر اشرفی اور روپیے بطور انعام اُسکو دیے جاتے ہین۔ مشہور کتابون مین سے کم کتابین ایسی ہونگی جو محفل ہمایون مین نہ پڑھی گئی ہون۔ وہ کونسی گذشتہ داستان۔ علمی نکات۔ اور حکمت کے مسئلے ہین جو بادشاہ کو یاد نہین۔ کتابون کو بار بار سُننے سے ملال نہین ہوتا بلکہ ہر مرتبہ نہایت شوق سے سُنتا ہے (و بفراوان خواہش نیوشد)

ہمیشہ اخلاق ناصری۔ کیمیاے سعادت۔ قابوس نامہ۔ مکتوبات شرف منیری۔ گلستان۔ حدیقہ (سنائی) مثنوی معنوی۔ جام جم۔ بوستان۔ شاہنامہ۔ خمسہ شیخ نظامی کلیات خسروؒ و مولنا جامیؒ۔ دیوان خاقانی و انوری۔ اور تاریخین کتابین پیشگاہ حضور مین پڑھی جاتی ہین۔ فقط

شروانی

شہنشاہ اکبر دربار قدرت سے بہت سی نعمتین لایا تھا اُنمین ایک طبع موزون بھی تھی۔ ذیل کے چند اشعار اُسکے کلام سے یادگار ہین:۔

مطلع

گریہ کردم ز غمت موجب خوشحالی شد ‌‌‌ ریختم خونِ دل از دیدہ دلم خالی شد

رباعی

می ناز کہ دل خون شدہ از دوریِ او ‌‌‌ من یار غمم ز دست مہجوریِ او
در آئینۂ چرخ این توسِ قزح است ‌‌‌ عکس است نمایان شدہ از چہریِ او

قطعہ

دوشینہ بکوے مے فروشان ‌‌‌ پیمانۂ مے بزر خریدم
اکنون ز خمار سر گرانم ‌‌‌ زر دادم و دردِ سر خریدم

مطلع

حاجی بسوے کعبہ رود از براے حج ‌‌‌ یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوے ما

کہتے ہیں کہ جسوقت اکبر شاہ نے راجپوتانہ پر چڑھائی کی اور چتوڑ کی لڑائی ہوئی تو اسقدر کشت و خون ہوا کہ جو ہندو بہشت نصیب ہوئے اُنکے جنیئوں کا وزن بقدر ۷۴ ½ من کے ہوا تھا چنانچہ اُسوقت سے آجتک چٹھیات کے لفافے پر ۷۴ ½ کا ہندسہ اس غرض سے لکھا جاتا ہے کہ سوائے مکتوب الیہ کے اور کوئی شخص اُس چٹھی یا خط کو نہ پڑھے قابل غور ہے کہ جس بادشاہ نے اسقدر خونریزی ہندوؤں کی روا رکھی اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا تاہم اُس بادشاہ کی سلطنت مقبول عام و خاص تھی اور جو ترقی اُسکے عہد میں ہوئی کسی مسلمان بادشاہ کے وقت میں نہیں ہوئی اور اب تک اُسکا نام نیکی سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسکے وجوہ قابل غور ہیں جو صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ بادشاہ نے تعصب کو چھوڑ کر ہندو و مسلمان دونوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا۔ یہی وہ تعصب تھا جسکی وجہ سے اکبر سے پیشتر کسی مسلمان بادشاہ کے وقت میں امن و امان نہیں رہا اور نہ ملک میں ترقی ہوئی۔ اگر اہل ملک پریشان رہتے تھے تو بادشاہ اور دیگر ارکین سلطنت کو بھی اطمینان کے ساتھ دن میں روٹی اور رات کو نیند میسر نہ آتی تھی۔ اور یہی وہ تعصب تھا کہ جسکی وجہ سے تنگ آکر اورنگزیب کے وقت میں ہندو اور سکھوں نے پنجاب میں اور مرہٹوں نے دکن میں برافروختہ ہو کر سلطنت اسلام کی جڑ کو اُکھاڑ کر پھینکدیا اور جو سلطنت چھ سو برس کی محنت سے قائم ہوئی تھی اُسکا نام و نشان آج باقی نہیں ہے۔ اور یہی وہ بے تعصبی ہے کہ جسکی وجہ سے انگریزی سلطنت اس ملک میں قائم ہوئی اور اس عروج پر پہونچ رہی ہے۔ اس موقع پر چند حالات بے تعصبی اکبر کے بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

نمبر ا - یہ کہ اُسکے دربار میں مسلمان۔ ہندو۔ عیسائی اور تمام مذہبوں کے عالم و فاضل جمع رہتے تھے اُنکے مباحثے ہوتے تھے اور بادشاہ اُنکو بے تعصبی سے سُنتا تھا۔ اُسکو مسلمان مولویوں کی

طرفداری کسیطرح منظور نہ تھی اور اُسکو پورا یقین ہو گیا تھا کہ مذہب کے پردے مین مولوی لوگ بادشاہ سے ناانصافی اور ظلم کراتے ہین۔ اِس بے تعصبی اور حق پسندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام رعایا بجز معدودے چند آدمیونکے بادشاہ سے خوش و خرم تھے۔

نمبر۲۔ اپنے ارکین سلطنت مین اُسنے ہندؤنکو اعلےٰ سے اعلےٰ عہدے عطا فرمائے۔ چنانچہ راجہ ٹوڈرمل اور راجہ بیربل اور راجہ مان سنگھ کا نام ہر شخص جانتا ہے یہ لوگ نہ صرف امور مملکت مین ہمراز اور مُشیر اور صلاح کار تھے بلکہ بڑی بڑی مہمات پر یہ لوگ بھیجے جاتے تھے تاریخ سے ظاہر ہے کہ ہندو سردار بنگالہ۔ کابل وغیرہ مہمات پر جاتے تھے۔ چنانچہ راجہ ٹوڈرمل اور راجہ بیربل نے بنگالہ وغیرہ کو چند دفع فتح کیا اور راجہ مان سنگھ نے کابل کو فتح کیا تھا۔ غرضکہ کوئی عہدہ ایسا نہ تھا جسپر ہندو ممتاز نہ رہے ہون۔ اگر اسوقت کے زمانے کو انتظام سلطنت انگریزی سے ملایا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے اکبر کے عہد مین عہدہ وزارت تک پر ہندو مقرر تھے لیکن سلطنت انگریزی مین تمام بڑے عہدون پر انگریزہی انگریز نظر آتے ہین۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستانیونکو لیاقت نہین ہے۔ تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے اپنی چند روزہ سلطنت مین ایسے ایسے ذی علم اور مدبر پیدا کر لیے کہ جنھون نے سلطنت کا کام بخوبی انجام دیا۔ لیکن انگریزی سلطنت کو ڈیڑھ سو سال سے زیادہ گذر گئے اور بڑے بڑے کالج اور یونیورسٹی جاری کی گئین اور ولایت سے بڑے بڑے تنخواہ دار پروفیسر آئے لیکن ہنوز یہ شکایت چلی جاتی ہے کہ ہندوستانیونکو لیاقت نہین ہے۔ یہی حال فوج کا ہے کہ ہندوستانیون کو افسری فوج کی نہین دیجاتی اور انپر اسقدر اعتبار نہین ہے کہ لڑائی کے وقت اُنسے کام لیا جائے۔ علاوہ اِسکے یورپین فوج پر بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ جو خوبی اکبر نے اپنی عہد سلطنت مین پیدا کی تھی وہ آجتک اہل فرنگ کو بھی نصیب نہین ہوئی اور اگر اسکا پرپوتا اورنگ زیب اپنے دادا اور باپ کے نقش قدم پر چلتا تو سلطنت مغلیہ کو کبھی زوال نہوتا۔ بہرحال دانایان فرنگ جو مناسب سمجھتی ہین کرتے ہین ہندوستانیونکو اسمین کچھ دخل نہین ہے

امور مملکت خویش خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

نہالچند

اکبر اور ملکی اتفاق

جبکہ اپنے والدین کی حالت سراسیمگی مین جلال الدین اکبر بمقام امرکوٹ (سندھ) پیدا ہوا تو کسکو امید ہوسکتی تھی کہ وہ خاندان مغلیہ کا سرتاج ہوگا اور جب اُسکی کم عمری مین باپ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا اور وہ تخت نشین ہوا تو کون یہ جانتا تھا کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر بادشاہ اور اعلےٰ درجے کا مصلح ثابت ہوگا۔ مگر اُسکے باپ ہمایون کی دُعا جو اُسنے ولادت کے وقت مانگی تھی درجۂ اجابت کو پہونچی اور اکبر کی حکمرانی کی شہرت خوشبوے مشک کیطرح تمام جہان مین پھیل گئی۔ ہوش سنبھالتے ہی اُسنے بیرم خان کی اتالیقی یا بالفاظ دیگر ماتحتی سے مخلصی حاصل کی تاکہ وہ خود عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لے سکے در اصل اسوقت سے اُسکو بادشاہت حاصل ہوئی۔ اور اسی وقت سے اُسنے اُن خرابیون کا استیصال شروع کیا جو ملک مین ہر طرف پھیلی ہوئی تھین۔

اپنے ایام حکمرانی مین ملکی فلاح و بہبود اور استحکام سلطنت کے لیے جو جو تدابیر وہ عمل مین لایا اُنکی تعریف سے اوراق تواریخ بھرے ہوے ہین لیکن اسوقت اُنکو بیان کرنا مقصود نہین ہے بلکہ یہ بتلاتا ہے کہ اکبر سا دُور اندیش شہنشاہ ہندوستان کے مختلف فرقون کو شیر و شکر کرنا نہایت ضروری خیال کرتا تھا اور اُسنے اس بات کی مختلف طریقون سے کوشش کی۔ اِس موقع پر یہ بتلا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خوش عقیدہ مسلمان تھا لیکن محض اتفاق پیدا کرنے کی غرض سے اُسنے وہ وہ کام کیے جنسے بعض مورخون کو اُسکے مسلمان ہونے مین شبہہ ہے۔ وہ حضرت شیخ سلیم چشتی کا از حد معتقد تھا۔ اُنکی مجلس مین نہایت مودبانہ حاضر ہوتا تھا۔ اُنکو مقربین بارگاہ احدیت مین سمجھتا تھا اور اسلیے عطاے اولاد نرینہ کے لیے اُنسے خواستگار دعا ہوتا تھا یہانتک کہ اُس کے ایام حمل مین نور الدین جہانگیر کی مان کو شیخ سلیم چشتی کی خدمت مین بھیجدیا تاکہ ولادت فرزند

اُنکے بابرکت قدوم مین ہو۔ شیخ ممدوح نے اُسکو اپنا بیٹا کہا اور اکبر بھی بیٹے کو ہمیشہ اسی وجہ سے "شیخو بابا" کہتا تھا۔ اسکے علاوہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لیے اُسنے آگرے سے اجمیر تک پاپیادہ سفر کیا اور مزار پُرانوار پر نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ حاضر ہوا۔ فتحپور سیکری واجمیر کی مساجد و دیگر عمارات اور آگرے سے اجمیر تک کے مینارے جو ہر مقام نزول پر بنوائے گئے تھے ان باتون کی زندہ شہادت ہین۔ باوجود اسکے اکبر نے پیروان مذاہب مختلفہ کو متفق ومتحد کرنے مین اپنی بہترین کوشش صرف کی اور اِس کام کو رعایا کے حق مین نہایت مفید خیال کیا۔ اسی غرض سے اُسنے ہندو راجاؤن سے رشتہ داریان کین۔ ہندو اہل کمال کو بلاخیال مذہب بڑے بڑے عہدے اور منصب عطا کیے۔ اُنکو بڑی بڑی مہمون پر بھیجا تاکہ وہ سمجھ جائین کہ اُنپر کیسا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جزیہ بالکل موقوف کر دیا اور معاملات مذہبی مین دست اندازی یکقلم مسدود کر دی گئی یہانتک کہ ہندو بیگمات محلات شاہی مین آزادی کے ساتھ اپنے اپنے طریقے سے پوجا پاٹ کرتی تھین۔ مناور کو جاگیرین عطا ہوئین۔ گرد کے عیسائیون کے ساتھ بھی اکبر نے بہت سی مراعات کین مریم نامی ایک عیسائی خاتون کے ساتھ نکاح کر کے اُسکے لیے ایک گرجہ بنوایا جہان اُسکو اپنے طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت تھی اور بعض مورخون نے بیان کیا ہے کہ کبھی اکبر خود بھی اُس گرجا مین عبادت کے لیے جاتا تھا۔ اُسکا مقولہ تھا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور اُسکی بندگی مسجد۔ مندر۔ گرجا۔ غرض ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ ایک مرتبہ عیسائی پادریون کا ایک گروہ تلقین مذہب عیسوی کے لیے اُسکے پاس آیا۔ بادشاہ کو عیسائی بنانا کچھ آسان کام نہ تھا چنانچہ پادریون کو اپنے مقصد مین تو کامیابی نہین ہوئی لیکن اکبر نہایت تکریم کے ساتھ اُنسے پیش آیا اور دربار مین بائیبل کو جو پادریون نے پیش کی تھی بوسہ دیکر اُسکی تعریف کی تاکہ اُسکا فعل دیکھنے والونکے لیے ایک مثال کا کام دے۔

اِس مناکحت اور اظہار بے تعصبی کی غرض یہ تھی کہ اُسکے وزرا و اُمرا اور پھر دیگر شرفا اور پھر عوام الناس بھی ایک دوسرے کی عزت کرین اور اسطرح تمام ملک کے مختلف المذاہب لوگون مین اتفاق واتحاد ہو جائے۔ کیونکہ "الناس علےٰ دین ملوکہم" (لوگ اپنے بادشاہ کے مذہب یا طریقے پر ہوتے ہین) ایک مانی ہوئی بات ہے جو روزمرہ کے

تجربہ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ منجملہ اور سینکڑون کارنامون کے اکبر کی یہی ایک کوشش ایسی ہے جسکا ذکر ہمیشہ اُسکی عظمت دلون مین پیدا کرتا ہے لیکن افسوس ہو کہ اُسکے جانشینون مین کوئی ایسا نہوا جو اس کوشش کو جاری رکھتا۔ اگر اُسی وقت سے اتفاق کی بنیاد مضبوطی کے ساتھ جاگزین ہو جاتی تو آج ہر طرف ہندو مسلمانون کی نا اتفاقی کا رونا رویا جاتا اور یہ آئے دن کے فتنے نہ پیدا ہوتے رہتے جو ہر وقت ہماری ترقی مین خلل ڈالتے ہین۔

آخر یورپ مین بھی تو مختلف المذاہب فرقے ہین لیکن ملکی اغراض کے لیے وہ سب ایک ہو جاتے ہین۔ اسی طرح اگر ہندوستانی بھی عاقبت اندیشی اختیار کرین اور ایک نیک گورنمنٹ کے طریقہ حکمرانی سے فائدہ اُٹھانا چاہین تو ایک دوسرے کے بھائی بن سکتے ہین۔ یون کہنے کو تو "بنی آدم اعضائے یکدیگر اند" مگر روز دیکھا جاتا ہے کہ خاص مسلمانون کے مختلف فرقون مین سخت آویزش رہتی ہے۔ کہین آمین بالجہر پر جھگڑا ہے تو کہین رفع یدین پر لٹھ چل رہا ہے۔ آخر ہندوستان مین یہ نفسا نفسی کب تک رہیگی کبھی تو انجام پر بھی نظر کرنا چاہیے۔ فقط

نیاز احمد

ہم سب ایک ہی منزل مقصود کے مسافر ہین۔ اتفاقاً گذرگاہِ دُنیا مین یکجا ہو گئے ہین رستے کا ساتھ ہے۔ بنا بنایا کاروان چلا جاتا ہے۔ اتفاق اور ملنساری کے ساتھ چلوگے۔ ہمدردی سے کام بٹاتے چلوگے تو ہنستے کھیلتے رستہ کٹ جائیگا۔ اگر ایسا نہ کروگے اور ان جھگڑالوؤن کے جھگڑے تم بھی پیدا کروگے۔ تو نقصان اُٹھاؤگے۔ آپ بھی تکلیف پاؤگے۔ ساتھیون کو بھی تکلیف دوگے جو مزے کی زندگی خدانے دی ہے بدمزہ ہو جائیگی۔ بے لیاقت شیطان جب حریف کی لیاقت اپنی لیاقت سے باہر دیکھتے ہین تو اپنا جتھا بڑھانیکو مذہب کا جھگڑا بیچ مین ڈال دیتے ہین کیونکہ اسمین فقط دشمنی ہی نہین بڑھتی بلکہ کیسا ہی بالیاقت حریف ہو اُسکی جمعیت ٹوٹ جاتی ہے اور اُن شیطانون کی جمعیت بڑھجاتی ہے۔ دُنیا مین ایسے نافہم بہت ہین کہ بات تو سمجھتے نہین مذہب کا نام آیا اور آپے سے باہر ہو گئے۔ بھلا دنیا کے معاملات مین مذہب کا کیا کام؟

آزاد

دربار اکبری کے بیش بہا نورتن ہین دو جواہر نہایت آب وتاب کے ساتھ جگمگاتے نظر آتے ہین۔ ایک فیضی اور دوسرا ابوالفضل۔ اگر انھین آسمان فضیلت کے آفتاب و ماہتاب کہین تو بیجا نہین۔ مگر ان دنیا کے روشن کرنے والے سیارون مین بہت کچھ باہمی فرق ہے اور فیضی و ابوالفضل مین کوئی فرق نہین۔ دونون ایک ہی طرح کے دل و دماغ لائے تھے جنمین دو برابر کے دریاے علوم سما گئے۔ دونون کے ذہن یکسان رسا اور دونون کے طائر عقل کی پرواز مساوی تھی۔

فیضی بڑا بھائی تھا اور ابوالفضل اس سے تین برس چھوٹا۔ پہلا بمقام ناگور پیدا ہوا دوسرا آگرہ مین۔ فلک ناہنجار کی تفرقہ پردازی دیکھو کہ جسطرح دونون بھائی جدا جدا مقام پر پیدا ہوے اسی طرح جدا جدا مدفن بھی ملے۔ جو ناگور مین پیدا ہوا تھا اسے آگرہ کی خاک نصیب ہوئی اور جو آگرہ مین پیدا ہوا تھا اسے نواح گوالیار کی مٹی نے عزیز کیا۔ فیضی کا سال ولادت ۹۵۴ھ ہے اور ابوالفضل ۹۵۸ھ مین پیدا ہوا۔ انکے علاوہ اور بھی کئی بھائی تھے اور سب علم و دانش کے پتلے۔ لیکن انکا نام تاریخ کے صفحون سے باہر نہین نکلا۔ یا یون کہو کہ ان روشن بلکہ لامع النور سیارونکے سامنے ان ستارون کی روشنی ماند پڑ گئی۔ کچھ ہی کیون نہو لیکن یہ سب ستارے ایک بڑے آسمان فضیلت کی یادگار ہین۔ جسکے دربار مین علم و دانش۔ ادب و فلسفہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ جو اصول و فروع۔ معقول و منقول سب کا مخزن تھا اور جسکے تبحر علمی کا اسوقت ڈنکا بج رہا تھا۔ وہ پیر نورانی جو شیخ مبارک کے نام سے شہرت رکھتا ہے اور جو در حقیقت مبارک اور خوش قسمت شخص تھا ان نامورون کے باپ ہونے کا فخر اسی کو حاصل ہے۔

دُنیا مین ان ناموروں کی آمد اقبال اکبری کی آمد آمد کا پیش خیمہ تھی جس سال فیضی پیدا ہوا ہے اُسی سال اکبر کی اقبالمندی نے پہلا جلوہ دکھایا۔ یہ اُسوقت کا ذکر ہے جب اکبر اپنے بیرحم چچا کامران کے ساتھ کابل مین تھا اور اُسکا باپ ہمایون کابل کا محاصرہ کیے ہوے پڑا تھا۔ آخر عین اُسوقت جبکہ گولون کی بوچھار ہو رہی تھی اور توپونکی گرج سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے ظالم چچا نے اُسے فصیل قلعہ پر بٹھا دیا کہ ایک ہی گولے مین کام ختم ہو جائے۔ لیکن اب یا توپ رنجک چاٹ جاتی تھی یا گولہ فصیل تک پہونچتے پہونچتے ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔

ابوالفضل کی پیدائش کے تین ہی برس بعد اکبر صاحب تخت و تاج ہو گیا۔ یہ ایک ایسی کامیابی تھی جسکا اُسے گمان بھی نہ تھا۔ ہمایون کا زینے سے گر کے مرجانا تو ایک اتفاقی بات تھی۔ لیکن اس سے پہلے اُسکا شیر شاہ سے شکست کھا کے بھاگنا پہاڑون مین سر ٹکراکر ایران تک پہونچنا۔ وہان سے مدد حاصل کر کے کابل و ہندوستان کو فتح کرنا اور دفعتہً تمام مصائب کا ایک نمودار کامیابی کے ساتھ مبدل ہو جانا ایسی باتین ہین جو اسوقت خیال مین بھی نہین آتین۔

ادھر اقبال اکبر کے لیے میدان کامیابی صاف کر رہا تھا اور تقدیر اُسکے لیے وہ شہ نشین تعمیر کر رہی تھی جسپر بیٹھ کے وہ دُنیا بھر مین چمکا اور "اکبر اعظم" کہلایا۔ اُدھر عقل و دانش، علم و حکمت کے دو ایسے پتلے بنا رہی تھی جو دُنیا کے پرانے فلسفہ کا ورق اُلٹنے والے تھے۔ آخر بیس برس کی عمر مین فیضی کا شہرۂ کمال اکبر کے کانون تک پہونچگیا۔ ابتک وہ پیر نورانی زندہ تھا جسنے نہین معلوم کس افلاس اور مصائب مین زندگی بسر کر کے یہ آفتاب و ماہتاب تیار کیے تھے۔ جو اِس شکستہ حالی مین بھی اپنے علم و فضل کی بدولت صاحب اجتہاد تھا اور جسنے اسی زبردست قوت کی بدولت ہمیشہ اپنے مخالفین پر فتح حاصل کی تھی۔ تاہم بیٹے کی اِس عظیم الشان کامیابی پر جو شاہی طلبی کی صورت مین نمودار ہوئی تھی شیخ مبارک کو ابتدائً خوشی و مسرت کا موقع نہین ملا۔ بلکہ حاسدون کی افترا پردازی نے اِس بزرگ اور اُسکے خاندان کو عجیب تشویش مین مبتلا کر دیا۔

بہرکیف فیضی ایک دُور دراز مسافت طے کر کے حاضر دربار ہوا۔ کیونکہ

ان دنوں اکبر مہم چتور میں مصروف تھا اور وہیں سے طلبی کا حکم نافذ ہوا تھا۔ جس بارگاہ میں اکبر رونق افروز تھا اُسکے گرد کٹہرا تھا۔ فیضی کٹہرے کے باہر کھڑا کیا گیا لیکن بادشاہ وہاں سے کسیقدر دور تھا۔ فیضی کو خیال گذرا کہ اِسطرح کلام کا مزہ نہ آئیگا۔ فوراً ایک قطعہ نظم کرکے پڑھا۔ قطعہ

بادشاہا برون پنجرہ ام   از سر لطف خود مرا جادہ
زانکہ من طوطی شکر خایم   جاے طوطی درون پنجرہ بہ

اکبر اس لطیفے سے بہت ہی محظوظ ہوا اور فوراً اندر بُلا لیا۔ راہ میں اگرچہ فیضی کی حالت مذبذب رہی تھی اور اُسے اپنی قسمت کا آخری فیصلہ نہیں معلوم ہوا تھا تاہم اُسنے بادشاہ کی شان میں ایک طولانی اور سیر حاصل قصیدہ کہا تھا۔ اِسکے اشعار دوسو کے قریب ہیں اور ہر شعر سے کمال شاعری کے دریا اُبل رہے ہیں۔ اِس دعوے کے ثبوت میں اسکا پہلا ہی مطلع کافی ہے:۔

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی   رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

تاریخیں شاہد ہیں کہ فیضی نے اپنی شاعرانہ قابلیت۔ عالمانہ فضیلت۔ اور شگفتہ خاطری کی بدولت اکبر کی نظروں میں کیا وقار پیدا کیا اور کسقدر جلد اُسکا ہمدم اور ندیم خاص ہو گیا۔ سفر حضر اور ہر حالت میں بادشاہ اُسے جُدا نہ کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ فیضی نے کوئی ملکی و مالی خدمت نہیں لی اور ایک شاعرانہ طبیعت رکھنے والے سے یہ کام ہو بھی نہیں سکتے۔ لیکن آئین و قوانین۔ انتظام و اصلاحات سلطنت اور تمام اہم معاملات میں فیضی کی راے ضرور شریک کیجاتی تھی۔ اکثر سفیرانہ خدمات اُسیکے سپرد ہوتی تھیں اور اگرچہ تلوار اور قلم میں ازلی دشمنی ہے تاہم فیضی نرا شاعر اور عالم نہ تھا بلکہ ایک بہادر کی طرح اُسکی تلوار بھی اُسکے اشاروں پر اُسیطرح چلتی تھی جسطرح اُسکا قلم اُسکی دماغی تحریک پر۔ عجب بات ہے کہ اکبر کے تمام ارکین سلطنت میں یہی وصف پایا جاتا ہے۔

تاہم شاعر ایک جُداگانہ طبیعت رکھتا ہے۔ فیضی اگر کسی سفارت یا مہم پر بھی جاتا تھا تو شعلۂ شاعری اسیطرح روشن رہتا تھا جسطرح ایام مصاحبت میں۔ چنانچہ اُسکی طولانی عرضداشتوں کا بہت بڑا حصہ اُسکی تازہ شاعری سے پُر ہوتا تھا

جو وہ اپنی عدم حاضری مین بادشاہ کی خدمت مین ارسال کیا کرتا تھا۔ یہ عرائض نہایت
دلچسپ اور مفید معلومات سے پر ہین اور علاوہ شاعرانہ لطافت کے معلوم ہوتا ہے کہ
کوئی بہت بڑا مدبر اپنے بادشاہ کو ملک کے جزوی و کلی حالات سے مطلع کر رہا ہے۔ اکبر
کی طبیعت بھی ایسی ہی واقع ہوئی تھی کہ اسکی کوئی بات پیچ در پیچ اور گہری پالیسی سے
خالی نہوتی تھی۔ اس حالت مین صرف شاعرانہ کمالات سے بادشاہ کے دل پر فتح پانا
محال تھا۔

پھر بھی فیضی کو جو کچھ شہرت حاصل ہے وہ ایک شاعر کی حیثیت سے اور وہ
ہندوستان کا پہلا شخص ہے جسنے دربار مغلیہ سے "ملک الشعرا" کا خطاب حاصل کیا۔
معتبر تاریخین گواہ ہین کہ یہ خطاب بھی اُسنے اپنی خواہش سے نہین لیا۔ وہ ملک سخن پر
حکمرانی کرتا تھا۔ اُسکو ظاہری نام و نمود کی مطلق پروا نہ تھی۔ بلکہ جتنی بلند خیالی اور استغنا
ایک شاعر مین ہونا چاہیے وہ اس شہنشاہ سخن پر ختم تھی۔ لیکن اُسکی شاعرانہ شہرت
اور بادشاہ کی روز افزون نظر عنایت دو زبردست حریف ایک طرف تھے اور بالآخر
بادشاہ کی فیاض طبیعت غالب آئی اور اسکی غیور طبیعت کو شکست ہوئی۔

یہ ۹۹۶ھ کا واقعہ ہے۔ اسوقت فیضی کی عمر بیالیس برس کی تھی اور ایک
خداداد طبیعت کے علاوہ تجربہ کاری اور کہنہ مشقی کا سہرا بھی اُسکے سر پر بندھ چکا تھا
حالانکہ کہنہ مشقی شاعری کی کوئی خاص صفت نہین ہے تاہم ملک الشعرائی کے ارکان
مین داخل کر دیگئی ہے۔ اسوقت تک اُسے کتنے اعزاز حاصل ہو چکے تھے اسکی تفصیل
ضروری نہین اور عام تاریخون مین موجود ہے۔ مختصر یہ کہ اکبر کا ہمدم اور مقرب خاص
ہونے کے علاوہ اُسکے تینون شہزادون کا معلم تھا۔ سلیم (جہانگیر) مراد۔ دانیال
سب نے فیضی کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا تھا۔ فیضی کو بھی اسپر ناز تھا اور اپنی
ہر تحریر مین نہایت فخر کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے لیکن انکسار آمیز۔

فیضی کی سخاوت اور مہمان نوازی مشہور ہے۔ اکبر کی قدر دانی کا شہرہ سنکے جو اہل
کمال دور دراز ملکون سے آتے تھے فیضی اپنے یہان اُنھین مہمان کرتا تھا چنانچہ مشہور
شاعر عرفی بھی پہلے فیضی ہی کا مہمان ہوا تھا۔ اور اکثر اہل کمال نے فیضی کے اخلاق و
مہمان نوازی کی خاص تعریف کی ہے۔

مصاحب شاہ ہوکر فیضی نے ابو الفضل کو بھی بلا لیا اور رفتہ رفتہ دونون بھائیونکو اکبر کے مزاج مین وہ رسوخ حاصل ہوا کہ سب پر فوق لے گئے۔ انکی زبان بادشاہ کی زبان تھی جو یہ کہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ مصاحب خاص کہو۔ وزیر اعظم کہو۔ نفس ناطقہ کہو جو کچھ کہو سب بجا ہے۔ امور ملکی کے علاوہ بخ کے معاملات تک انکی رائے پر منحصر تھے۔ اور اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ ان دونون بھائیون سے زیادہ بادشاہ کا مزاجدان تمام دربار مین کوئی نہ تھا اور تقرب بھی انھین کو زیادہ حاصل تھا۔

فیضی اپنی گلفشانیون سے بادشاہ کا غنچہ خاطر شگفتہ کیا کرتا اور ابو الفضل اپنی دلسوزی اور وفاداری کا سکہ جماتا تھا حتی کہ اکبر وہ راز کی باتین جو اُسنے اب تک اپنے کسی رفیق سے نہین کہی تھین انسے کہنے لگا اور انھین مونس تنہائی سمجھنے لگا۔ بادشاہ کو ابتدا ہی سے یہ دُھن تھی کہ ملک کی مختلف قومونکو ایک سلک مین منسلک کر دیا جائے لیکن اختلاف مذاہب کی وجہ سے وہ علانیہ ایسی کوشش کی جرات نکرتا تھا سب سے زیادہ اسے ان تنگ خیال مُلازادون سے خوف تھا جو کئی مرتبہ اسلامی سلطنت کو درہم و برہم کرچکے تھے۔ لیکن اب ان شیخ زادون کی مدد سے (جنکا باپ خود ایک زبردست مجتہد تھا اور تعصب و تنگ خیالی کے خلاف اُسنے صد ہا مہمات فتح کی تھین) اکبر کو اپنے اظہار خیالات کے لیے ایک زبردست تقویت حاصل ہوگئی اب مختلف مذاہب کی خفیہ تحقیق شروع ہوگئی اور ہر مذہب کے علما مناظرے کے لیے آنے لگے۔ ان صحبتون کے میر مجلس یہی شیخ زادے تھے اور بادشاہ خود بھی ہر پیشوائے مذہب کی تقریر گوش دل سے سُنتا تھا۔

قصہ مختصر فیضی اور ابو الفضل کی ذہانت نے ایک نئے مذہب کا ہیولی تیار کیا جسکا پیغمبر خود اکبر قرار دیا گیا تھا۔ اس مذہب کا دروازہ ہندو مسلمان۔ پارسی۔ یہود اور نصاری سب کے لیے یکسان کشادہ تھا۔ اس مذہب کی بنیاد محض اصول پر تھی فروع ترک کردیے گئے تھے۔ جو مذہبی جھگڑون کا باعث ہین۔ مگر چونکہ ایک طرح یہ مذہب انسان کو صرف دُنیا کے ساتھ وابستہ کرتا تھا اس وجہ سے اُسکو فروغ نہین ہوا۔ صوفیا نفس کش ہند و جو روحانیت کے دلدادہ تھے اُسمین شریک نہین ہوئے۔

فیضی نے اکبر کی فرمایش سے چند سنسکرت کتابون کے بھی ترجمے کیے۔

ملک الشعرا کالیداس کا ڈراما "نل دمن" فیضی ایسے شاعر بیعدیل کے سوا کون ترجمہ کر سکتا تھا - وہ دونون ملک الشعرا - دونون اپنی اپنی زبان اور شاعرانہ خیالات پر قادر - غرضکہ کتاب ہو تو ایسی اور ترجمہ ہو تو ایسا جو "نل دمن فیضی" کے نام سے مشہور ہے - رامائن کا ترجمہ بھی فیضی کے شاعرانہ کمال کی ایک بین دلیل ہے - مہابھارت کا ترجمہ بھی شروع کیا اور دو پرب لکھ ڈالے مگر تمام نہوا - لیلاوتی نام ایک حساب کی کتاب بھی سنسکرت سے ترجمہ کی - بعض لوگ کہتے ہین گیتا کا بھی ترجمہ کیا - مگر چونکہ اب فیضی کی تمام تصانیف دستیاب نہین ہوتین اسلیے قطعی طور پر کچھ نہین کہا جا سکتا -

فیضی کی سنسکرت دانی کی نسبت کئی قصے مشہور ہین مگر تاریخ سے اُنکا پتہ نہین لگتا - کوئی کہتا ہے کہ بنارس مین برہمن بنکر ایک پنڈت سے سنسکرت پڑھی اور فارغ التحصیل ہوکر عذر تقصیر کیا - کسی کا بیان ہے کہ بچپن ہی سے اُسے ایک عالم برہمن نے پالا تھا اور ذہن رسا دیکھکر اُسے اپنا علم سکھا دیا - لیکن عقل سلیم دونون روایتون مین سے ایک کو بھی قبول نہین کرتی - گمان غالب یہ ہے کہ شاہی فرمائش پر اُسنے علماے سنسکرت سے مدد لی ہوگی - یا اسی زمانے مین تھوڑا بہت پڑھکے مطالعے کے زور سے استعداد بہم پہونچائی ہوگی - اور چونکہ عربی و فارسی کا جید عالم تھا لہذا تیسری زبان کے حاصل کرنے مین زیادہ دقت نہین پیش آئی -

فیضی کی فارسی تصانیف بہت ہین بعض تاریخون مین انکی تعداد ایکسو ایک لکھی ہوئی ہے - مگر جو مشہور ہین وہ اُنگلیون پر شمار ہو سکتی ہین - انمین خمسۂ نظامی کے جواب مین خمسۂ فیضی مشہور ہے - یعنے مخزن اسرار کے جواب مین "مرکز ادوار" خسرو شیرین کے جواب مین "سلیمان و بلقیس" لیلی مجنون کے جواب مین "نل دمن" ہفت پیکر کے جواب مین "ہفت کشور" سکندر نامہ کے جواب مین "اکبر نامہ" - لیکن اکبر نامہ کامل نہین ملتا متفرق اشعار موجود ہین - اسلیے یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ سکندر نامہ بری و بحری کی طرح اسکی بھی دو جلدین لکھی گئی تھین یا نہین -

ان تصانیف کے علاوہ فیضی کے زور طبیعت کے اور بھی متعدد نمونے موجود ہین خصوصاً اُسکا دیوان جو اُسکی عمر بھر کی کمائی ہے نو ہزار شعرون کا مجموعہ ہے - اسکا دیباچہ بھی فیضی نے خود ہی لکھا ہے اور "تباشیر الصبح" نام رکھا ہے - ہر غزل

ایک رنگ مین ڈوبی ہوئی ہے اور ہر شعر بیساختگی کی جان ہے۔ فیضی کا کلام سلیس اور عام فہم ہے اور مضامین کی بلند پروازی مین استعارہ کی پیچیدگیون کی گنجائش نہین معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف باتین کر رہا ہے مگر ایسی باتین نہین جو فلسفہ و حکمت سے خالی ہون۔ قصائد اور غزلیات کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ عرفی قصائد کا مالک ہے اور خیالی مضامین اُسپر ختم ہین۔ فیضی کا رنگ قصیدہ جداگانہ ہے۔ اور چونکہ بادشاہ کے مزاج کی تہ تک پہونچگیا تھا اسلیے ایسے ہی مضامین نظم کیا کرتا تھا جو حسب حال ہوا کرتے تھے اور جنکا لطف بادشاہ کو خاص طور پر محسوس ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُسکے قصائد اب مشہور نہین۔ کیونکہ اُنکے لطف کا وقت گذر گیا۔ اور قصائد عرفی کی قدر اب بھی ہو رہی ہے کیونکہ اُنکا لطف کسی وقت خاص کیلیے مخصوص نہین۔

تصانیف فیضی مین تفسیر بے نقط جسکا نام "سواطع الالہام" ہے بہت مشہور ہے۔ ۵۷ جزو کی کتاب ہے جسکا ہر لفظ بے نقط ہے۔ موارد الکلم ایک اور کتاب فیضی کی تصنیف ہے جسمین پند و وعظ درج ہین۔ فیضی نے اپنی تصانیف مین شہنشاہ اکبر کی مدح کو غلو کی حد تک پہونچا دیا ہے۔ ابو الفضل بھی اسیکو سرمایۂ افتخار سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے حاسد انھین خوشامدی کہتے تھے۔ بات یہ ہے کہ انکی دلی عقیدت انکی ہر تحریر سے ٹپک پڑتی تھی۔ انشاے فیضی جسمین تمام عرضداشتین جو اُسنے سفارت دکن کے موقع پر بادشاہ کی خدمت مین ارسال کی تھین۔ فارسی انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ انھین اپنا عجز و انکسار انتہائی حد تک پہونچا دیا ہے لیکن انھین ہزارون نکتے ہین۔ ایک عرضی کا پہلا فقرہ یہ ہے:۔

"ذرہ ہیچ تر از ہیچ فیضی اولاً روے ارادت بجانب آن قبلۂ مراد کہ ظاہر و باطنش نظرگاہ خداوندیست آوردہ اداے سجدات اخلاص مینماید"

آخر جب مرض ضیق النفس نے بہت تنگ کیا اور آخری وقت آیا تو ذیل کی رباعی کہی:۔

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگی کرد — مرغ دلم از قفس بدآہنگی کرد
آن سینہ کہ عالمے درو میگنجید — تا نیم نفس برآورم تنگی کرد

بیماری کی حالت مین یہ شعر وردزبان تھا :-

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ ۔۔۔ نہ نشود پائے یکے مور لنگ

نزع کے وقت اکبر دیکھنے گیا مگر اُسے ہوش نہ تھا۔ پکارا تو جواب نہ دیسکا آخر بادشاہ نے فرط محبت سے سر پکڑ کر اُٹھایا اور کہا کہ "شیخ جیو! ہم حکیم علی کو ساتھ لائے ہین"۔ مگر زبان بند تھی کچھ جواب نہ ملا۔ آخر اکبر مایوس ہو کے اور ابو الفضل کو تسکین دے کے چلا گیا۔ ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ کو شیخ فیضی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیخ مبارک کے گھر سے شور اُٹھا اور تمام شہر مین صدائے ماتم گونجنے لگی۔ مُلّائے بدایونی جو کٹر مسلمان تھے اور فیضی اور ابو الفضل کو دشمن ایمان اور اکبر کو گمراہ کرنے والے شیطان سمجھتے تھے اِس موقع پر بہت خوش ہوے۔ اور کئی ناموزون تواریخ وفات کہی ہین جنسے دلی بخار پسینہ بنکے ٹپک پڑا ہے۔ فرماتے ہین۔ "قاعدۂ الحاد شکست" اِس سے بھی زیادہ جلے پھپولے پھوڑنے کو "فلسفی و شیعی وطبعی و دہری" ۱۰۰۴ھ لکھدیا۔ معاذاللہ! تعصب کی کوئی حد نہین۔

فیضی کا اصل نام ابو الفیض تھا اور فیضی تخلص۔ بعد کو فیاضی اختیار کیا۔ عُلامی اُسکا لقب تھا۔ اور ملک الشعرا خطاب۔ دربار سے زیادہ بادشاہ کے کاشانۂ دل مین اُسکی عزت ہوئی۔ راجگان ہنود مین وکرماد ت کے بعد شہنشاہ اکبر اہلِ کمال کی قدردانی کے لیے خاص طور پر مشہور رہے ہے۔ یہ اُسی کی قدردانی کا نتیجہ تھا کہ مان سنگھ سے بہادر۔ ٹوڈرمل سے محاسب اور مُدبّر۔ فیضی سے شاعر اور ابو الفضل سے منشی اُسکے نورتن کے جواہر تھے۔ یہ دوسری خوش قسمتی ہے کہ دشمن بھی ملے تو ایسے دلاور جیسا رانا پرتاب جسکے سمند برق خرام کی ٹپلیان شہزادۂ سلیم (جہانگیر) کے ہاتھی کی مستک کو پامال کر گئین جو ہم حیوز کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا تھا۔

بیک گردش چرخ نیلوفری ۔۔۔ نہ نادر بجا ماند نے نادری

فیضی کا حال سُن چکے اب ابو الفضل کی داستان سُنو۔ یہ تو معلوم ہے کہ بڑے بھائی کا رسُوخ چھوٹے بھائی کی سرفرازی اور تقرب کا باعث ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ تقرب اتنا بڑھگیا کہ ابو الفضل سلطنت اکبری کا نفس ناطقہ اور سیاہ و سفید کا مالک ہوگیا۔ مگر واہ ری عقیدت و وفاداری۔ خان بابا کیطرح اُسکا مزاج کبھی نہین بگڑا اور وہ رعونت

اُسکے دماغ کے قریب ہو کے بھی نہ گزرنے پائی جسنے اتالیق شاہ کو ایسا روز بد دکھایا تھا بادشاہ بغیر اُسکی صلاح کے کوئی کام نہ کرتا اور اُسکی ہمنشینی کو تسکین قلب کا باعث جانتا تھا۔ ہر چھوٹی سی چھوٹی بات بھی اس سے بغیر کہے چین نہ آتا تھا۔ دربار میں یہی وزیر اعظم ہے اور خلوت میں یہی انیس و ہمدم۔ لیکن کیا مجال کہ امراے دربار کو رشک و حسد کا موقع ملے یا بادشاہ کو بدگمانی پیدا ہو۔

فیضی کیطرح ابو الفضل بھی ذہن کا رسا اور برابر کی طبیعت لایا تھا۔ دونوں بھائی جیسے شاعر تھے ویسے ہی منشی۔ مگر ایک کو شاعری میں جوہر طبع دکھانے کا زیادہ موقع ملا اور وہ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ دوسرے کو انشا پردازی کی خدمت سپرد رہی اور وہ منشیان روزگار میں یگانۂ آفاق ہوا۔ مگر یہ ہماری کوتہ نظری ہے کہ ہم اُسے صرف منشی سمجھ لیں۔ وہ جیسا منشی تھا ویسا ہی شاعر۔ ویسا ہی مُدبّر۔ اور ویسا ہی بہادر بھی۔

اگر شہنشاہ اکبر کا دل حکمت و دانائی کا خزانہ تھا تو ابو الفضل اُس خزانے کی کُنجی۔ جتنے پاکیزہ خیالات اِس عالی خیال بادشاہ کے دماغ سے نکلتے تھے ابو الفضل اُنکو جلا دیتا اور نہایت نفیس صیقل کرکے ایک آئینہ تیار کرتا تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر اکبر اپنے عہد کا سکندر تھا تو ابو الفضل اُسکا ارسطو۔ جو شخص سکندر و ارسطو کے باہمی تعلقات سے آگاہ ہے اُسکے لیے اکبر اور ابو الفضل کے تعلقات کوئی معمہ نہیں ہیں۔ ملکی معاملات میں وہ دستور اعظم کی خدمت انجام دیتا تھا۔ اور جب دربار اکبری کی عظیم الشان اور دل میں ہیبت طاری کرنے والی تصویر نظر کے سامنے آئیگی ابو الفضل تخت سلطانی کا پایہ پکڑے نظر آئیگا۔ اسوقت اُس دُنیا کے منتخب دربار میں جہان پنجہزاری۔ ہفت ہزاری اُمرا۔ بڑے بڑے بہادر اور انتخاب روزگار لوگ دُور تک صف بہ صف نظر آئینگے۔ ابو الفضل سے زیادہ بادشاہ کے قریب کوئی نہ ملیگا۔ اِسکی خاص وجہ یہ ہے کہ اُسکی جگہ تخت کے قریب اِسقدر مستحکم نہ تھی جسقدر بادشاہ کے دل میں۔

ابو الفضل شاہی دربار میں اُسوقت داخل ہوا تھا جب اکبر کی سلطنت اسکے اقبال کیطرح روز افزوں ترقی کر رہی تھی اور ایسے انتظام و قانون کی محتاج

تھی جو اُسکو استحکام دین - اور استحکام اسی طرح ممکن تھا کہ کشود ممالک کے لیے بجاے تلوار کے قلم کی کنجی سے کام لیا جائے - ابوالفضل قلم کا بادشاہ تھا اور اِس کام کے لیے پورے طور پر موزون - اُسکی تدابیر صائب نے بہت سے ملک باتون مین فتح کیے ہین اور جہان اکبر تلوار سے کام لینا مناسب نہ سمجھتا تھا وہان ابوالفضل سفارت پر بھیجا جاتا - اسوقت اِسکے تدبّر سے بڑے بڑے عقدے حل ہو جاتے تھے -

جب اکبر نے انتظام سلطنت کے لیے قانون و ضابطہ کی تدوین پر آمادگی ظاہر کی تو ابوالفضل مجلس وضع قانون یا اُس بڑی کونسل کا پریسیڈنٹ تھا جو ہندوستان ایسے ملک کو دوامی قانون کی زنجیرون مین جکڑنے اور دائمی امن و امان کی کی دولت عطا کرنے کے لیے منعقد ہوئی تھی - اگر اِس عظیم الشان کونسل کی پوری کارروائی دیکھنا ہو تو آئین اکبری کی ضخیم جلدین دیکھو اور اِس عالی دماغ مدبّر کے کارنامے معائنہ کرتے ہوے اِسپر بھی غور کرو کہ اِن باتون کو اُس اِنشا پردازی سے کیا تعلق جو ابوالفضل سے یگانہ آفاق منشی کے جادو نگار قلم نے ہر سطر مین دکھائی ہے -

ابوالفضل کی قربت و رسوخ کا ایک بہت بڑا باعث یہ تھا کہ وہ اکبر کو اپنے سے ہر طرح افضل جانتا تھا - اور یہ بات اُسکے پدر بزرگوار نے ذہن نشین کر دی تھی کہ بادشاہ رموز حقائق کا گنجینہ ہے اور تو اُس سے اکتساب سعادت کر سکتا ہے - یہی وجہ ہے کہ وہ اکبر کی ایک بادشاہ کی طرح اتنی عزت نہ کرتا تھا جتنی ایک مرشد اور ہادی کی طرح - اُسکی ہر تحریر سے واضح ہے کہ اُسے بادشاہ سے دلی عقیدت ہے - اِسی عقیدت کی وجہ سے وہ شاہی احکامات کی تعمیل نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے کیا کرتا تھا اور اکثر اکبر کو "بادشاہ وحدت بخش" وغیرہ بلند الفاظ سے یاد کیا ہے -

یہی عقیدت اُس مذہب کے اختراع کا باعث ہوئی جو "مذہب الٰہی" کے نام سے مشہور ہے اور جسکا پیمبر اکبر بنایا گیا تھا - گویا ابوالفضل اور فیضی دو فرشتے تھے جو اکبر کے پاس وحی لایا کرتے تھے - لیکن نہین! یہ لوگ اُس عرش معظم تک نہین پہونچ سکتے تھے جہان خدا کا نورانی تخت جگمگا رہا ہے -

بلکہ یہی تیرہ خاکدان (دُنیا) انکا عرش تھا اور اِسی مناسبت سے یہ مذہب بھی دُنیاوی مذہب کہا گیا جو انھین لوگون کے ساتھ مٹ گیا۔ لیکن کوئی شک نہین کہ وہ ایک کارآمد مذہب تھا اور اگر اہل ہند اب بھی اُسے اپنا پولیٹکل مذہب قرار دین تو ہندوستان کی دُنیاوی نجات ممکن ہے۔

ابو الفضل کے حالات بہت طولانی ہین۔ اُسکی درباری زندگی کا کوئی لمحہ سخت مصروفیت سے خالی نہین ملتا مگر اِن سبکو قلمبند کرنیکے لیے مآثر الامرا وغیرہ کے مصنفین کے سوا ہر شخص کا کام نہین۔ یہ ہم بتا چکے ہین کہ کبھی اُسکے ہاتھ مین قلم ہوتا کبھی تلوار۔ کبھی تلوار اُٹھالی اور سپاہی بن گیا کبھی قلم پکڑ لیا اور ایک علامہ منشی کی طرح کبھی نہ مٹنے والے خیالات قلمبند کر دیے۔ مگر یہ کبھی کبھی نہین بلکہ ہر وقت اور ہر لمحہ۔ بادشاہ اُسکی اتنی عزت کرتا تھا کہ سلطنت کا بڑا سا بڑا صوبہ دار اور رُکن اعظم اُسے اکبر ثانی جانتا تھا۔ جس سفارت پر وہ جاتا تھا اکبر کی عظمت اور جبروت اُسکے ہم کاب ہوتی تھی اور اُسکا حریف جانتا تھا کہ خود اکبر آرہا ہے۔ مگر افسوس کہ شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے دل پر اِس رُسوخ کا اُلٹا اثر ہوا اور فتنہ پردازون کے مفسدانہ اغوا سے شاہزادہ ابو الفضل کا جانی دشمن ہو گیا۔

یہ معاملہ بہت پیچ در پیچ ہے لیکن تاریخون سے معلوم ہوتا ہی کہ جب شاہزادہ کے سر مین ہوائے خودسری بھر گئی اور اُسکے ناعاقبت اندیش رُفقا اُسے باغی اور خودسر ہو جانے پر اُبھارنے لگے۔ حتیٰ کہ علانیہ سرتابی کے نمونے پیش کیے تو اکبر نے ابو الفضل کو جو اِن دنون سفارت دکن پر معمور تھا بُلا بھیجا۔ کیونکہ ایسی زبردست گتھی اُسکے ناخن تدبیر کے سوا کسی طرح نہین سُلجھ سکتی تھی۔ جہانگیر ابو الفضل کو اپنا دشمن سمجھتا تھا اور مغویون نے اِس موقع پر اور بھی نقش کر دیا کہ اگر ابو الفضل دربار تک پہونچ گیا تو شاہزادے کی تباہی یقینی ہے۔ اِسی وہم فاسد کی بنا پر اُسنے شیخ کو راہ مین قتل کرا دیا۔

یہ واقعہ قصبہ انتری نواح گوالیار کے قریب ہوا تھا۔جبکہ شیخ ابو الفضل مع چند ہمراہیون کے دکن سے واپس آر ہا تھا جہانگیر کو یہ خبر پہونچی تو اُسنے خفیہ طور پر راجہ نرسنگھ دیو کو لکھ بھیجا کہ راہ مین شیخ کا کام تمام کردو۔راجہ کو دربار اکبری سے کوئی تعلق نہ تھا اور بغاوت مین جہانگیر کا شریک حال تھا لہذا اُسنے قصبہ انتری کے قرب وجوار مین اپنا ڈیرا جما دیا جدھر ابو الفضل آر ہا تھا۔قصبہ مذکور تک پہونچ جانے پر شیخ کو کافی مدد مل سکتی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ تنہا کسی تدبیر سے وہان پہونچ جائے۔لیکن اُسنے گوارا نہ کیا۔رُفقاء خاص مین گدائی خان نے کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی اور بار بار میدان قضا کی طرف جانے سے روکا مگر ابو الفضل اِس سے زیادہ اپنی توہین نہین سمجھتا تھا کہ اکبر کا وزیر اعظم ہوکر دشمن کے سامنے سے بھاگ جائے۔آخر مقابلہ ہوا مگر بالکل اسطرح جیسے چند بکریون پر بھیڑیون کا غول ٹوٹ پڑے شیخ کے کل رفقا اور ہمراہی مارے گئے اور اگرچہ اُسنے بہت کچھ داد شجاعت دی لیکن خود بھی قتل ہوا۔یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ اور جمعہ کا روز تھا کہ دربار اکبری کا رُکن اعظم اور اُسکے نورتن کا سب سے بڑا جواہر خاک وخون مین ملگیا۔دشمنون نے سر کاٹ کر شہزادہ کے پاس بھیجدیا شاہزادے نے جو بے حرمتی اِس کے ساتھ روا رکھی وہ ہمیشہ اُسکے نام پر دھبہ بنکر رہیگی۔

لاشہ دربار اکبر مین آیا تو اُسکی نظرون مین دُنیا سیاہ ہوگئی۔بے اختیار کہہ اُٹھا کہ سلطنت کی ہوس تھی تو مجھے مارا ہوتا شیخ کو کیا مارا۔اِسی مضطربانہ حالت مین یہ شعر پڑھا ؎

شیخ ما از شوق بیحد چون سوے ما آمدہ　　ز اشتیاق پائے بوسی بے سرو پا آمدہ

بادشاہ کی طبیعت کا یہ حال تھا اور اُمراء دربار کی حسد اِس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ آصف خان نے تاریخ کہی ؎

تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید

اُف رے تعصب! تو بیگناہون کو مجرم بنا دیتا ہے اور دین دارون کو بیدین۔ مگر کہتے ہین کہ خود ابو الفضل نے خواب مین کہا کہ میری تاریخ وفات "بندۂ ابو الفضل" سے نکلتی ہے۔

اگرچہ ابوالفضل اُسی وقت مرگیا مگر اُسکے کارنامے قیامت تک زندہ رہین گے آئین اکبری اُسکی دماغی قوت کا ایک بےنظیر نمونہ ہے جس سے شاہان عالم تین سو برس بعد بھی اسیطرح استفادہ حاصل کرتے ہین جس طرح اکبر کے اور جانشین کرتے رہے - اور عہد اکبری کی اس سے زیادہ مکمل تاریخ نہوئی ہے نہ ہو سکتی ہو - اسکے علاوہ یہ دنیا کا سب سے بڑا انشاپرداز اتنی تصانیف چھوڑ گیا ہے کہ اگر سب کو جمع کیا جاسے تو ایک عمدہ کتب خانہ کہا جا سکتا ہو - انشاپردازی کی کوئی قسم ایسی نہین جسے اُسکے قلم نے مزین نہ کیا ہو - انشاے ابوالفضل تو درسیات مین داخل ہے جس سے اکثر فارسی پڑھنے والے استفیض ہوتے ہون گے - عیار دانش - ترجمۂ کلیلہ دمنہ بھی سلیس فارسی کا ایک بےنظیر نمونہ ہے - رزمنامہ جسمین اپنے بھائی فیضی کے ترجمۂ مہابھارت پر خطبہ لکھا ہے اور جامع اللغات جس مین زمانۂ طالب علمی مین الفاظ جمع کئے تھے قابل دید کتابین ہین -

لیکن اکبرنامہ اور آئین اکبری جنکی متعدد ضخیم جلدین ہین ابوالفضل کے سر پہ دستار فضیلت باندھتی ہین اور ایک نقاد کو مجبور کرتی ہین کہ اُسکی دماغی قوت زور قلم - اور اعلی انشاپردازی کی تعریف کرے - ان کتابون کو بالاستیعاب پڑھنے سے ایک معمولی لیاقت کا آدمی فاضل بن سکتا ہے - ابوالفضل کے ادنی ادنی شاگرد بھی علامۂ روزگار ہوے ہین - مشہور ملا عبدالحمید لاہوری جو شاہجہان نامہ کا مصنف ہے اسی کا شاگرد تھا -

علامۂ ابوالفضل کے حالات ختم کرتے ہوے ہم اتنا اور لکھین گے کہ اُسکی تصانیف پڑھنے سے پہلے انسان تعصب کی عینک اُتار ڈالے اور فلسفہ و حکمت و تصوف کے مذاق سے طبیعت کو آشنا کرلے تو لطف آئیگا - ورنہ بقول پروفیسر آزاد "کھانا کھائے جاؤ نوالے چبائے جاؤ - پیٹ بھر جائیگا مزہ پوچھو تو کچھ نہین -"

نظر

راجہ ٹوڈرمل

یون تو اکبر کا دربار علم وفضیلت۔کاردانی وکارپردازی کا گنجینہ تھا۔مگر تاریخ کے صفحات پر جس آب وتاب کے ساتھ ٹوڈرمل کا نام چمکا۔اور انتظام سلطنت وملکداری مین جو قابل یادگار خدمات اُسکے نام سے وابستہ ہین وہ اُسکے معاصرین مین سے کسی کو میسر نہین۔خانخانان وخان زمان وخان اعظم کے جہانسوز تیغے تھے جنھون نے اکبری دُنیا مین ایک غلغلہ مچا رکھا تھا۔مگر وہ بجلی تھے کہ یکایک کوندے اور پھر نظرون سے پنہان ہوگئے۔ابوالفضل وفیضی کی جگر کاویان تھین کہ اگر متلاشیان علم چاہین تو آج بھی اُنسے معلومات کے سبق لے سکتے ہین۔مگر ٹوڈرمل کے یادگار وآئین سلطنت ہین جو باوجود ترقی تہذیب وتمدن کے آجتک وقیع نگاہون سے دیکھے جاتے اور عقیدت کے ساتھ برتے جاتے ہین۔نہ تو زمانہ کی روبہ ترقی رفتار۔اور نہ طرز حکومت کے تغیرات نے اُنپر دستبرد کرنے کی جرأت کی۔

ٹوڈرمل ذات کا کھتری اور گوت کا ٹنڈن تھا۔اُسکے وطن کی نسبت اختلافات ہین۔مگر ایشیاٹک سوسائٹی کی جدید تحقیقاتون نے فیصلہ کر دیا ہے کہ موضع لاہرپور علاقہ اودھ کو اُسکے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے۔والدین عسرت وتنگ حالی مین مبتلا تھے۔اُسپر اور مصیبت یہ پڑی کہ ابھی ٹوڈرمل کے ہاتھ پاؤن نہ سنبھلنے پائے تھے کہ باپ کا سایہ حمایت سر سے اُٹھ گیا۔اور اُسکی بیوہ مان نے نہین معلوم کن دقتون سے اِس ہونہار بچے کو پالا۔مگر خدا کی کارسازی دیکھیے کہ یہی یتیم اور بے دست وپا بچہ شہنشاہ اکبر کا وزیر اعظم ہوا۔جسکا قلم سارے ہندوستان پر محیط تھا۔دُنیا مین بہت کم ایسی مائین ہونگی جنکے لڑکے ایسے سپوت نکلے ہونگے۔اور کم کسی ولی کی دُعائین درگاہ الٰہی مین ایسی مقبول ہوئی ہونگی۔

اُس زمانے مین جبکہ تعلیم اعلےٰ طبقے کے لوگون ہی تک محدود تھی۔اور آجکی تعلیمی

آسانیون کا نام بھی نہ تھا۔ اس مفلس لڑکے کی کیا تعلیم ہوتی۔ ہان وہ خلقتہً ایک ذہین۔ جفاکش۔ سلیقہ شعار لڑکا تھا۔ اور یہ عادتین عمر کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی گئین۔ ابھی بالغ بھی نہونے پایا تھا کہ معاش کی ضرورت نے گھر سے باہر نکالا۔ شیر شاہ سوری اُن دنون ہندوستان کی قسمتون کا مالک ہو رہا تھا۔ اور اُسکا وزیر مظفر خان زمین کے بندوبست مین سرگرم تھا۔ اُسکی سرکار مین معمولی متصدیون کے خدمات انجام دینے لگا۔ مگر فطری عطیات۔ خلقی صفات کب چھپے رہتے ہین۔ اپنی کار پردازیون اور جانفشانیون کی بدولت پیش پیش رہنے لگا۔ اور دفاتر کے اکثر صیغے زیر قلم ہوگئے۔ چونکہ اُسکو ابتدا سے مطالعۂ کتب و تحقیقات کا شوق تھا بہت جلد امورات دفتر و حالات معاملات سے ماہر ہو گیا۔ اسی اثناء مین زمانے نے کروٹ بدلی۔ سوری خاندان پر زوال آیا۔ اور ہمایون۔ کے بھاگ جاگے۔ مگر وہ بھی چند دنون مین جنت کو سدھارا۔ اور اکبر نے تاج شاہی سر پر رکھا۔ وہ آدمیون کا پرکھنے والا تھا۔ ایک ہی نظر مین تاڑ گیا کہ یہ نوجوان متصدی ضرور نام و نمود حاصل کریگا۔ اُسے اپنی سرکار مین لے لیا اور حضوری مین رہنے کا حکم دیا۔

مگر اکبر کا دربار وہ گلشن نہ تھا جسمین کوئی نرا سپاہی یا نرا منشی شہرت و اعزاز کے پھول چُن سکتا۔ ٹوڈر مل اب تک قلم ہی کے جوہر دکھاتا رہا۔ مگر ۱۵۶۵ء مین ضرورت ہوئی کہ وہ یہ دکھلائے کہ مین کس رگ اور پٹھے۔ دم خم کا سپاہی ہون۔

اُن دنون حسین قلی خان خان زمان نے مفسدہ پردازیون پر کمر باندھی تھی۔ وہ اپنے وقت کا نہایت واقفکار۔ جری۔ شیر دل سپاہی تھا۔ اور بارہا جان نثاریون کے ثبوت دے چکا تھا۔ خود تو بہار اور جونپور کا صوبہ دبائے بیٹھا تھا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی بہادر خان کو جو دلاوری مین اُسی کا ہم پلہ تھا اودھ کیطرف روانہ کیا تھا۔ اکبر نے میر معز الملک کو بھیجا کہ بہادر خان کو گرفتار کرکے حاضر دربار کرے۔ مگر میر صاحب سے کوئی کام نہ بنتے دیکھکر ٹوڈر مل کو بھیجا کہ سرشور نمکحرامون کی فہمایش۔ اور اگر فہمائش سے کام نہ نکلے۔ تو سرزنش کرے۔ ٹوڈر مل فوراً اس مہم پر روانہ ہوا۔ مگر مقابلہ ایسا کرارا تھا۔ اور میر معز الملک جسکے نام سپہ سالاری تھی ایسا ناقص فن سپاہی تھا کہ فوج شاہی کو پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی۔ ہان ٹوڈر مل کو آفرین ہے کہ میدان سے نہ ٹلا۔ اور اس ہار مین بھی گویا اُسکی جیت ہی رہی۔ اکبر نے پہلی بار امتحان لیا تھا۔ اُسمین پورا اترا۔ پھر تو

راجہ ٹوڈر مل

یوں تو اکبر کا دربار علم و فضیلت۔کاردانی و کارپردازی کا گنجینہ تھا۔مگر تاریخ کے صفحات پر جس آب و تاب کے ساتھ ٹوڈر مل کا نام چمکا۔اور انتظام سلطنت و ملکداری مین جو قابل یادگار خدمات اُسکے نام سے وابستہ ہین وہ اُسکے معاصرین مین سے کسی کو میسر نہین۔خانخانان و خان زمان و خان اعظم کے جہانسوز تیغے تھے جنھون نے اکبری دُنیا مین ایک غلغلہ مچا رکھا تھا۔مگر وہ بجلی تھے کہ یکایک کوندے اور پھر نظرون سے پنہان ہو گئے۔ابوالفضل و فیضی کی جگر کاویان تھین کہ اگر متلاشیان علم چاہین تو آج بھی اُنسے معلومات کے سبق لے سکتے ہین۔مگر ٹوڈر مل کے یادگار و آئین سلطنت ہین جو باوجود ترقی تہذیب و تمدن کے آجتک وقیع نگاہون سے دیکھے جاتے اور عقیدت کے ساتھ برتے جاتے ہین۔نہ تو زمانہ کی روبہ ترقی رفتار۔اور نہ طرز حکومت کے تغیرات نے اُنپر دستبرد کرنے کی جرأت کی۔

ٹوڈر مل ذات کا کھتری اور گوت کا ٹنڈن تھا۔اُسکے وطن کی نسبت اختلافات ہین۔مگر ایشیاٹک سوسائٹی کی جدید تحقیقاتون نے فیصلہ کر دیا ہے کہ موضع لاہرپور علاقہ اودھ کو اُسکے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے۔والدین عسرت و تنگ حالی مین مبتلا تھے اُسپر اور مصیبت یہ پڑی کہ ابھی ٹوڈر مل کے ہاتھ پاؤن نہ سنبھلنے پائے تھے کہ باپ کا سایۂ حمایت سر سے اُٹھ گیا۔اور اُسکی بیوہ مان نے نہین معلوم کن دقتون سے اِس ہونہار بچے کو پالا۔مگر خدا کی کارسازی دیکھیے کہ یہی یتیم اور بے دست و پا بچہ شہنشاہ اکبر کا وزیر اعظم ہوا جسکا قلم سارے ہندوستان پر محیط تھا۔دُنیا مین بہت کم ایسی مائین ہونگی جنکے لڑکے ایسے سپوت نکلے ہونگے۔اور کم کسی ولی کی دُعائین درگاہ الٰہی مین ایسی مقبول ہوئی ہونگی۔

اُس زمانے مین جبکہ تعلیم اعلےٰ طبقے کے لوگون ہی تک محدود تھی۔اور آجکی تعلیمی

آسانیون کا نام بھی نہ تھا - اِس مفلس لڑکے کی کیا تعلیم ہوتی - ہان وہ خلقتہً ایک ذہین - جفاکش - سلیقہ شعار لڑکا تھا - اور یہ عادتین عمر کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی گئین - ابھی بالغ بھی نہونے پایا تھا کہ معاش کی ضرورت نے گھر سے باہر نکالا - شیر شاہ سوری اُن دنون ہندوستان کی قسمتون کا مالک ہو رہا تھا - اور اُسکا وزیر مظفر خان زمین کے بندوبست مین سرگرم تھا - اُسکی سرکار مین معمولی متصدیون کے خدمات انجام دینے لگا - مگر فطری عطیات - خلقی صفات کب چھپے رہتے ہین - اپنی کارپردازیون اور جانفشانیون کی بدولت پیش پیش رہنے لگا - اور دفاتر کے اکثر صیغے زیر قلم ہو گئے - چونکہ اُسکو ابتدا سے مطالعۂ کتب و تحقیقات کا شوق تھا بہت جلد امورات دفتر و حالات معاملات سے ماہر ہو گیا - اِسی اثنا مین زمانے نے کروٹ بدلی - سوری خاندان پر زوال آیا - اور ہمایون کے بھاگ جاگے - مگر وہ بھی چند دنون مین جنت کو سدھارا - اور اکبر نے تاج شاہی سر پر رکھا - وہ آدمیون کا پرکھنے والا تھا - ایک ہی نظر مین تاڑ گیا کہ یہ نوجوان متصدی ضرور نام و نمود حاصل کریگا - اُسے اپنی سرکار مین لے لیا اور حضوری مین رہنے کا حکم دیا -

مگر اکبر کا دربار وہ گلشن نہ تھا جسمین کوئی نرا سپاہی یا نرا منشی شہرت و اعزاز کے پھول چن سکتا - ٹوڈرمل ابتک قلم ہی کے جوہر دکھاتا رہا - مگر ۱۵۶۵ء مین ضرورت ہوئی کہ وہ یہ دکھلائے کہ مین کس رگ و پٹھے - دم خم کا سپاہی ہون -

اُن دنون حسین قلی خان خان زمان نے مفسدہ پردازیون پر کمر باندھی تھی - وہ اپنے وقت کا نہایت واقفکار - جری - شیر دل سپاہی تھا - اور بارہا جان نثاریون کے ثبوت دے چکا تھا - خود تو بہار اور جونپور کا صوبہ دبائے بیٹھا تھا - اور اپنے چھوٹے بھائی بہادر خان کو جو دلاوری مین اُسی کا ہم پلہ تھا اودھ کیطرف روانہ کیا تھا - اکبر نے میر معز الملک کو بھیجا کہ بہادر خان کو گرفتار کر کے حاضر دربار کرے - مگر میر صاحب سے کوئی کام نہ بنتے دیکھکر ٹوڈرمل کو بھیجا کہ سرشور نمکحرامون کی فہمایش - اور اگر فہمائش سے کام نہ نکلے - تو سرزنش کرے - ٹوڈرمل فوراً اِس مہم پر روانہ ہوا - مگر مقابلہ ایسا کرارا تھا - اور میر معز الملک جسکے نام سپہ سالاری تھی ایسا ناقص فن سپاہی تھا کہ فوج شاہی کو پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی - ہان ٹوڈرمل کو آفرین ہے کہ میدان سے نہ ٹلا - اور اِس ہار مین بھی گویا اُسکی جیت ہی رہی - اکبر نے پہلی بار امتحان لیا تھا - اُسمین پورا اترا - پھر تو

اُسکے قلم کیطرح اُسکا تیغہ بھی جولانیان کرنے لگا - اور جس مہم پر جاتا فرخندہ بخشی کامیابی کا سہرا اُسکے سر باندھتی - اور جانفشانی سُرخروئی کا جیمال اُسکے گلے ڈالتی - چتوڑ - رنتھنبور - سورت کی فتحون مین اُسنے اپنا لوہا منوا دیا - وقت کے پختہ کار - ذی وقار سپہ سالارون مین شمار ہونے لگا -

مگر سب سے بڑی مہم جسنے اُسکی جانبازیون کا سکہ بٹھا دیا اور جسمین اُسنے اپنی زندگی کے سات سال صرف کیے بنگالہ کی مہم تھی - خان زمان ۵۶۷ھ مین کیفر کردار کو پہونچا اور منعم خان خانخانان اُسکا نعم البدل قرار دیا گیا - مگر کچھ تو خانخانان خود ہی صلح پسند تھا - اور کچھ بنگالہ کے افغان شورہ پشت - لڑائی نے طول کھینچا - آخر خدمتگذاران شاہی کا آٹھون پہر کی دوڑ دُھوپ - دوا دوش سے ناک مین دم آگیا - جی چُرانے لگے - اکبر کو ان تمام ماجرون کی درپردہ خبر لگتی رہتی تھی - ارادہ ہوا کہ اِسوقت کسی ایسے قوی ہمت - قواعد دان شخص کو بنگالہ بھیجے جو ساری سپاہ کو قواعد کے شکنجے مین کسکر اُنکی رگین ڈھیلی کردے - ایسا شخص بجز ٹوڈرمل کے اور کوئی نظر نہ آیا - چنانچہ راجہ چند نامور جنگجو دلاورون کے ساتھ بنگالہ کو چلا -

بنگالہ مین راجہ ٹوڈرمل نے وہ وہ کارنمایان کیے جنسے تاریخ کے صفحے ہمیشہ مزیّن رہین گے - یہ اُسی کی خردپژوہی تھی جسنے سارے بنگالہ مین اکبری خطبہ پڑھوایا - اُسکے ایک ہاتھ مین تلوار ہے - دوسرے مین تیغہ - مشاغل کثیرہ سے دم لینے کی فرصت نہین ہے کہین تو وہ شجاعت کے جوہر دکھاتا ہے - کہین کاغذی گھوڑے دوڑاتا ہے - جنگ کے وقت جہان اَڑ جاتا ہے وہان سے ہٹنا نہین جانتا - سپاہیون کو ایسا بڑھاتا ہے - ایسا للکارتا ہے کہ ہاری ہوئی لڑائی جیت لیتا ہے - یہ اُسی کا گروہ ہے کہ ترک و تاتاری سپاہیونکو بیوفائی جنکی گھُٹی مین پڑی ہے - کہین دوستانہ فہمائش سے - کہین ڈراوے سے کہین لالچ سے قابو مین رکھتا ہے - اُسکے متواتر فتوحات نے افغانون کے چھکّے چھُڑا دیے داؤد خان آخری بار اپنے دل کے ارمان نکالکر قتل ہوا - صوبہ بنگالہ پر اکبری پھریرا لہرانے لگا - اور ٹوڈرمل فتح و نصرت کے نقارے بجاتا - اقبال کے گھوڑے پر سوار دارالخلافت کو لوٹا - اور وزارت کے خدمات انجام دینے لگا - معتمد الدولہ خطاب ہوا - نقارہ اور علم نے اور بھی اعزاز بڑھایا -

اسی اثنا مین خبر پہونچی کہ وزیر خان کی بے عنوانیون نے گجرات مین بدنظمی پھیلا رکھی ہے۔ ٹوڈر مل کو فوراً حکم ہوا کہ جاکر وہان کے معاملات سُدھارے۔ راجہ صاحب روانہ ہوے۔ اور وہان پہونچکر دفتر مالیات وغیرہ کا معائنہ کرنے لگے۔ اتنے ہی مین یہ شگوفہ کھلا کہ گجرات کے چند مفسدون نے بغاوت مچادی۔ وزیر خان کی ہمتین چھوٹ گئین۔ قلعہ بند ہوگیا اور ساتھ ہی قاصد دوڑائے کہ بھاگا بھاگ ٹوڈر مل کو خبر کرین۔ راجہ کو تاب کہان کہ ایسی ڈراؤنی۔ اور متوحش خبر سُنے۔ اور ایک دم کی بھی تاخیر کرے۔ اُسیوقت باغیون پر دھاوا کیا۔ وزیر خان کو مرد بنا کر قلعہ سے باہر نکالا۔ اور دشمنون کو وولقہ کے تنگ میدان مین جا لیا۔ وہان خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حریفون کی نیت تھی کہ راجہ کو ٹھکانے لگا دین۔ پہلے ہی سے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ مگر راجہ کی شیرانہ للکار اور برق دم تلوار نے اُنکا سب تانا بانا توڑ ڈالا۔ یہ مہم مار کر دار الخلافت کو سُرخرو لوٹا۔ اعزاز دوبالا ہوگیا۔

مگر وہ زمانہ ہی کچھ ایسا واقعہ خیز تھا اور وفادار کارپردازون کا کچھ ایسا قحط تھا کہ ٹوڈر مل جیسے سرگرم خدمتگذار کو چین سے بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ گجرات سے آیا ہی تھا کہ بنگالہ مین پھر زور شور سے غبار اُٹھا۔ مگر ایکی آندھی کا رنگ کچھ اور ہی تھا۔ سپاہ اور سرداران سپاہ سپہ سالار سے باغی ہوگئے تھے۔ اکبر نے ٹوڈر مل کو روانہ کیا۔ اور اِس بلوے کو راجہ نے ایسی حکمت عملیون اور پسندیدہ تدبیرون سے فرو کیا کہ کسی کو کانون کان خبر نہوئی۔ ورنہ حریف کب سر اُٹھانے سے باز رہتا۔ ہان چند کینہ جو۔ سیہ باطن حاسدون نے گھات لگائی تھی کہ موجودات کے وقت راجہ کا کام تمام کردین۔ مگر وہ ایک ہی سیانا تھا۔ ایسے حضرات کے پنجے مین کب آسکتا تھا۔ صاف نکل گیا۔ ۱۵۸۲ء مین آگرے کو لوٹا۔ جان نثاریون نے سلطنت کا دیوان کُل بنادیا۔ اور بائیس صوبون پر اُسکا قلم دوڑنے لگا۔ اُسیوقت سے اور زمانۂ وفات تک ٹوڈر مل کو اپنے قلم کے جوہر اور اپنی مُدبرانہ جدّت کے کرشمے دکھانیکا خوب موقع ملا۔ صرف ایک بار یوسف زیئون کی مہم مین راجہ مان سنگھ کی کمک کو جانا پڑا تھا۔

گو راجہ نہایت نیک طینت۔ صاف باطن آدمی تھا مگر ۱۵۸۹ء مین کسی حریف نے اُسپر تلوار چلائی۔ خوش قسمتی سے راجہ بال بال بچگئے۔ اِسکا خمیازہ ایک سیہ بخت کھتری بچے کو اُٹھانا پڑا۔ مگر گمان غالب ہی کہ یہ اشارہ کینہ خواہ اُمرا کی طرف سے تھا۔

مگر غالباً یہ حملہ موت ہی کا تھا کیونکہ اس حادثے کے تھوڑے ہی دنون بعد راجہ کو اس دُنیا سے رخصت ہونا پڑا یعنی ۱۵۹۰ء مین ظالم نے دوسرا حملہ بخار کی صورت مین کیا۔ اور اُنکی جان ہی لیکر چھوڑا۔

ٹوڈر مل پر مورخین نے خوب رائے زنی کی ہے۔ مگر جن لوگون کو اُس سے حد درجہ کا اختلاف ہے وہ بھی اُسکو کلمات خیر سے یاد کرتے ہین۔ وہ اکبر کے تمام اُمرا مین سب سے زیادہ سچا اور معتمد خیر اندیش تھا۔ بجز اُسکے اور کوئی امیر ایسا نہ تھا جو بیوفائی و نمکحرامی کا داغ اپنے اوپر نہ لیگیا ہو۔ وہی ایک مرد ہے جسکی شہرت کی چادر بگلے کے پر کیطرح صاف ہے۔ متعصب مورخین نے دھبے لگانے کی کوشش ضرور کی ہے۔ مگر ناکام رہے ہین۔

اُسکی کارگذاریون کو بیان کرنا گویا اکبر کے زمانے کی تاریخ لکھنا ہے۔ ایسا کونسا صیغہ تھا۔ دیوانی یا مالیات یا فوجی جسپر ٹوڈر مل کی کارفرمائیون اور اصول تراشیون نے اپنی مہر نہ لگائی ہو۔ پہلے لشکر شاہی کوسون مین اُترا کرتا تھا۔ فیلخانہ کچھ یہان ہے۔ کچھ وہان۔ توپ خانے کا ایک حصہ اِس سرے پر ہے تو دوسرا اُس سرے پر۔ الغرض بڑی بے ترتیبی رہا کرتی تھی۔ ٹوڈر مل کی قواعد پسند طبیعت نے پیادہ۔ سوار۔ توپخانہ۔ رسد۔ بازار لشکر وغیرہ کے اُتارنے کے لیے تجویزین نکالین۔ اسی سلسلے مین آئین داغ کی تشریح بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ پہلے مستقل فوجین نہ رکھی جاتی تھین۔ اُمرا کو دربار شاہی سے جاگیرین ملجایا کرتی تھین۔ اور اُنکو حکم تھا کہ عند الطلب مع اپنی مقررہ فوج کے حاضر دربار ہوا کرین۔ اُمرا اُسمین داؤن پیچ نکالکر اپنی جیب بھرتے۔ موجودات کے وقت تو گھوڑون کی مقررہ تعداد ادھر اُدھر سے مانگ جانچکر دکھا دیتے جب یہ بلا سر سے ٹلجاتی تو پھر وہی روش اختیار کرتے۔ ٹوڈر مل نے اسکا انسداد یون کیا کہ موجودات کے وقت گھوڑون پر داغ لگا دیا جاتا تاکہ جعلسازی کا کوئی موقع نہ رہے۔

سکندر لودی کے زمانے تک ہندو عموماً فارسی یا عربی نہ پڑھتے تھے۔ اسے ملکش بدیا کہتے تھے۔ راجہ نے تجویز کی کہ کل قلمرو ہند مین یکقلم دفتر فارسی ہوجائین۔ پہلے تو اِس تجویز سے ہندو چونکے۔ مگر ٹوڈر مل نے اُنکے دلون پر یہ خیال اچھی طرح جما دیا کہ بادشاہ وقت کی زبان رزق کی کنجی ہے۔ اگر اونچے مناصب۔ اعزاز و وقار چاہتے ہو تو اِس زبان کے سیکھنے سے پا سکتے ہو۔ اکبر نے بھی سہارا دیا۔ تجویز چل نکلی۔ اور چند سال کے عرصے مین

بہت سے ہندو فارسی دان اور فارسی خوان بنگئے۔ اِس لحاظ سے ہم کہ سکتے ہین کہ ٹوڈرمل زبان اُردو کا مورث اعلی ہے۔ کیونکہ یہ اُسی کی دُور بینیون کا ثمرہ ہے کہ فارسی ہندؤن مین رائج ہوئی۔ فارسی الفاظ معمولی گھریلو بول چال مین مستعمل ہونے لگے اور اسطرح اُردو کی بنیاد ریختہ سے استوار ہوئی۔

ٹوڈرمل حقائق سیاق مین اپنے وقت کا مسلم الثبوت اُستاد تھا۔ پہلے شاہی دفتر حساب بالکل برہم تھا۔ کہین کاغذات فارسی مین تھے کہین ہندی مین۔ ٹوڈرمل نے اس پریشان دفتر کو بھی قواعد وضوابط کے شیرازے مین کسا۔ گو اس زمرے مین خواجہ شاہ منصور مظفر خان اور آصف خان نے بھی بڑے بڑے کام کیے۔ مگر ٹوڈرمل کی شہرت کی چمک دمک کے سامنے اُنکی کچھ وقعت نہ رہی۔ بہت سے نقشے اور فردون کے نمونے آئین اکبری مین درج ہین۔ آج بھی اُنھین کی خانہ پُری کیجاتی ہے۔ حتےٰ کہ اصطلاحون مین بھی کوئی تبدیلی نہین ہوئی۔

مگر سب سے مہتم بالشان کام جو ٹوڈرمل کا یادگار ہے اور جسنے ساری مہذب دُنیا مین اُسکو فائنشل مدبرون مین ممتاز درجہ دے رکھا ہے وہ اُسکا بندوبست مالگذاری ہے جسکو ہم باوجود خوف طوالت مجملاً بیان کرنا ضروری سمجھتے ہین۔

پہلے مالگذاری کا انتظام تخمین پر تھا۔ ٹوڈرمل کی تجویز سے کل ممالک محروسہ کی پیمائش کی گئی۔ جریب رسّی کی ہوتی تھی۔ اِس سے تر و خشک مین فرق ہوجاتا تھا۔ اِسلیے بانس کے ٹوٹون مین لوہے کے حلقے ڈالکر جریبین تیار ہوئین۔ تمام اراضی خشک و تر مع اقسام زمین۔ کوہستان۔ بیابان جنگل۔ اوسر۔ بنجر سب کو ناپ ڈالا۔ چند گاؤن کا پرگنہ چند پرگنون کی سرکار اور چند سرکارون کا ایک صوبہ قرار پایا۔ بندوبست دہ سالہ مقرر کیا گیا (اب سی سالہ ہے)

محصول کا آئین یہ باندھا کہ غلّہ زمین بارانی مین نصف کاشتکار کا نصف بادشاہ کا۔ غیر بارانی مین ہر قطعہ پر چوتھائی اخراجات اور اُسکی خرید و فروخت کی لاگت لگاکر غلّہ مین ایک تہائی بادشاہی نیشکر وغیرہ کہ جنس اعلی کہلاتے ہین۔ اور پانی نگہبانی اور کٹائی وغیرہ کی محنت غلہ سے زیادہ کھاتے ہین اُنپر ۱/۴، ۱/۵، ۱/۲ یا ۱/۲ حسب مراتب حق بادشاہی باقی حق کاشتکار اِسکا دستور العمل آئین اکبری مین جنس دار لکھا ہوا ہے۔

عظماے یورپ کیطرح ٹوڈرمل نے بھی اصول پسندی و قواعد بندی کو اپنا شعار بنایا تھا - تمام صیغون کے دفاتر کٹھ پتلی کیطرح اُسکی اُنگلی کے اشارے پر کام کرتے تھے - ممکن نہ تھا کہ اکبر جیسا جوہرشناس بادشاہ ان اوصاف کی قدر نکرتا - اسمین کوئی شک نہین کہ بسا اوقات اُسکی بندشین اور پابندیان اُمراکے دلونکو جلاتی تھین - یہی وجہ ہے کہ مورخین عہد اکبری نے اُسے کینہ خواہ اور مغرور بتایا ہے - مگر واضح رہے کہ جو لوگ باقاعدہ روش اختیار کرتے ہین وہ اکثر غرضمند لوگون کی افترا پردازیون کا شکار ہوجاتے ہین - یہ ٹوڈرمل کی سلامت روی تھی کہ وہ اپنی عزت و آبرو سنبھالے رہا - ورنہ اُمرانے تو اُسکی بدخواہی مین کوئی کسر نہ رکھی تھی -

اُسکو مغرور و مُدمغ کہنا واقعات پر خاک ڈالنا ہے - بنگالہ مین اُسنے سات برس تک تیغہ چلایا - اور گو ساری سپاہ اُسی کی ابرو کے اشارے پر چلتی تھی مگر اُسنے کبھی سپہ سالاری کا دعویٰ نہین کیا - اُسنے اپنے کو بلند کرنا سیکھا ہی نہ تھا - اور اکبر جیسا جوہرشناس آقا اُسکو نہ ملجاتا تو متصدیون کا عہدہ اُسکے لیے معراج ترقی ہوکر رہجاتا - اس کسرنفسی کے ساتھ آزادی بھی مزاج مین ایسی تھی کہ بنگالہ مین جسوقت منعم خان خانخانان نے داؤد خان سے صلح کی تو ٹوڈرمل نے اُس سے اختلاف کیا - اور اپنی بات پر ایسا اڑا کہ صلحنامہ پر مُہر تک نہ کی - اسی آزاد پسندی کو حاسدون کی کم نظریون نے نخوت و تکبر بنادیا ہے - اس آزادی کے ساتھ صاف گوئی بھی اُسکے حصے مین خوب آئی تھی - بادشاہ کے مُنہ پر بھی حق کہنے سے نہ چوکتا - سیکڑون ڈاڑھی والے مُلاؤن نے دربار کی ہوا مین آکر لامذہبی کا کلمہ پڑھنا اختیار کرلیا تھا - مگر راجہ مرتے دم تک راسخ الاعتقاد ہندو بنا رہا - جبتک ٹھاکر جی کی پوجا نہ کرلیتا دانہ نہ کھاتا - اس سے بڑھکر آزادی خیال کا اور کیا ثبوت مل سکتا ہے - فقط

RAJA MAN SINGH

راجہ مان سنگھ

دربار اکبری کے جادو طراز مصور نے کیا خوب کہا ہے "اس عالی خاندان راجہ کی تصویر دربار اکبری کے مرقع مین سونے کے پانی سے کھینچنی چاہیے"۔ بیشک ! اور نہ صرف مان سنگھ کی بلکہ اُسکے نامور باپ راجہ بھگوان داس و مشہور دادا راجہ بہاڑا مل کی تصویرین بھی اُسی اعزاز اور سنگار کی مستحق ہین۔ راجہ بہاڑا مل وہ پہلا عالی دماغ۔ وسیع نظر راجہ تھا۔ جسنے ہزارون برس کے مذہبی تعصبات مصالح ملکی پر قربان کرکے مسلمانون سے ناتا جوڑا۔ اور ۹۶۹ھ مین اپنی فرخندہ صفات بیٹی اکبر کی عروسی مین دی۔ آمیر کے خاندان کچھواہہ کو آزاد خیالی اور بے تعصبی کے میدان مین پیشقدمی کرنے کا فخر حاصل ہے۔ اور جب تک ان اوصاف خجستہ کی وقعت زمانے کی نگاہون مین رہیگی اس خاندان کے نام پر ہمیشہ اعزاز کا فاتحہ پڑھا جائیگا۔

مان سنگھ امبیر مین پیدا ہوا۔ اور اُسکی طفولیت کا زمانہ اسی ملک کے پرجوش و جنگجو باشندون مین گذرا۔ جنسے اُسنے دلاوری وجانبازی کے سبق پڑھے۔ مگر جب شباب نے دل مین جوش اور جوش مین اُمنگ پیدا کی تو دربار اکبری کی طرف رُخ کیا جو اُس زمانے مین اعزاز و وقار منصب و اقتدار کی کان سمجھا جاتا تھا۔ بھگوان داس کی خیراندیشیون اور جان نثاریون نے اُسے بارگاہ سلطانی مین عزت کی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ اُسکے ہونہار۔ جوان بخت بیٹے کی جتنی آؤ بھگت ہونی چاہیے اُس سے زیادہ ہوئی۔ اکبر اُسکے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آیا۔ اور رجب ۱۵۷۲ء مین گجرات پر فوج کشی کی تو اس نوجوان کنور کو ہمراہی کا افتخار بخشا۔ اِس مہم مین اُسنے وہ بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے کہ اکبر کی نظرون مین جچ گیا۔ اگر کچھ کور کسر تھی تو وہ اُسوقت پوری ہوگئی جب خان اعظم احمد آباد مین گھر گئے۔ اور اکبر نے آگرے سے کوچ کرکے دو مہینے کی راہ سات دن مین طے کی۔ نوجوان کنور اس

یلغار مین بھی ہمرکاب رہا - یہ گویا اُسکی تعلیم و امتحان کے دن تھے -

اب وہ زمانہ آیا کہ معتمد خدمات کی دستار فضیلت اُسکے سر باندھی جائے -

حسنِ اتفاق سے موقع بھی جلد ہاتھ آیا - شولاپور کی مہم مارے چلا آرہا تھا کہ راستے مین مقام کوہلمیر پر رانا پرتاپ سنگھ سے ملاقات ہوئی - رانا پُھولا ہوا خاندان پر اُسکی آزاد خیالیون کے باعث سے تنا بیٹھا تھا - کہ اِسنے راجپوتون کے ماتھے پر کلونس کا ٹیکہ لگایا - مانسنگھ پر طعن و تشنیع کے چُبھتے ہوے تیر سریے جو اُسکے کلیجے کے پار ہو گئے - اِن زخمون کے لیے سوائے انتقام کے اور کوئی شفا بخش مرہم نظر نہ آیا -

مان سنگھ نے آگرہ مین آکر اکبر سے تمام و کمال ماجرا بیان کیا - اکبر عالی ہمت بادشاہ تھا - غضب مین آگیا - رانا پر فوج کشی کی طیاری کی - شہزادہ سلیم کے نام سپہ سالاری ہوئی - اور مان سنگھ اُسکا مشیر مقرر ہوا -

شاہی فوج پہاڑون جنگلون کو طے کرتی رانا کے ملک مین داخل ہوئی - رانا پرتاب سنگھ بھی اپنے بائیس ہزار جان نثار راجپوتون کے ساتھ ہلدی گھاٹ کے میدان مین اڑا کھڑا تھا - یہان خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی - خون کی ندیان بہ گئین - پہاڑونکے پتھر شنگرف ہو گئے - میواڑ کے بیر مان سنگھ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے - ایسے جان توڑ توڑ کر حملے کرتے تھے کہ اگر سدِ سکندر بھی ہوتی تو شاید اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکتی - مگر مان سنگھ بھی شیر کا دل رکھتا تھا - اُسپر جوانی کا جوش - حوصلہ کہتا تھا ساری فوجکی نگاہین تجھپر ہین - دکھادے کہ راجپوت اپنی تلوار کا ایسا دھنی ہوتا ہے! آخر اقبال اکبری غالب آیا - رانا کے بیرون کے قدم اُکھڑ گئے - چودہ ہزار سورما کھیت رہے - صرف آٹھ ہزار اپنی جانین سلامت لیگئے - کہان ہین اسپارٹا کی تعریف مین ورقونکے سیاہ کرنے والے - آئین اور دیکھین کہ ہندوستان کے جودھا کیسے بیجگری کے ساتھ جان دیتے ہین!!

رانا لڑائی تو ہار گیا مگر ہمت نہ ہارا - اُسکی ہیکڑی اُسکے گلے کا ہار بنی رہی جب کبھی میدان خالی پاتا اپنے جانبازون کے ساتھ قلعہ سے نکل پڑتا - اور قرب وجوار مین طوفان برپا کرتا - اکبر نے کچھ دنون تک طرح دی - مگر جب رانا کی زیادتیان جادۂ اعتدال سے متجاوز ہو گئین تو ۱۵۷۶ء مین اُسپر پھر فوجکشی کی تیاری کی - خود تو اجمیر مین آکر ٹھہرا - اور مان سنگھ کو خطاب فرزندی کے ساتھ اِس مہم کی سپہ سالاری پر ممتاز کیا - راجہ میواکے

میدان مین آئے تو دور دراز منزلون کی تھکن دُور ہو۔ مرزا حکیم بھی بڑے ششش و پنج کے بعد فوج لیے ایک گھاٹی سے نمودار ہوا۔ اور ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا۔ دونون طرف کے دلاور خوب دل توڑ کر لڑے۔ گو مقابلہ بہت سخت تھا۔ اور راجپوت ایسی ناہموار زمین پر لڑنے کے عادی نہ تھے۔ مگر مان سنگھ نے سپاہیون کو ایسا اُبھارا۔ اور ایسے موقع موقع سے کمک پہونچائی کہ آخر میدان مار لیا۔ حریف بھیڑون کیطرح بھاگے راجپوتون کے ارمان ولکے دل ہی مین رہگئے۔ مگر دوسرے دن سورج بھی نہ نکلنے پایا تھا کہ مرزا کا ماموں فریدون خان پھر فوج لیکر پہونچا۔ مان سنگھ نے بھی اپنی فوج اُسکے مقابل کھڑی کی اور چٹ پٹ خون کی پیاسی تلوارین میانون سے نکلین۔ اور توپون نے گولے اُگلے۔ اور ریل پیل ہونے لگی۔ دو گھنٹہ تک تیغے چلتے رہے۔ آخر دشمن پسپا ہوا۔ اور مانسنگھ مظفر و منصور کابل مین داخل ہوا۔ مگر اکبر کی کریم النفسی و دریادلی پر ہزار آفرین ہو کہ اُس ملک پر جو اتنی خونریزیون کے بعد فتح ہوا تھا متصرف نہوا۔ بلکہ مرزا کی خطائین معاف کین۔ اور اُسکا ملک [illegible] کو دیدیا۔ پشاور اور سرحدی ملک کے اختیارات مان سنگھ کے سپرد کیے۔ اور دو برس تک راجہ نے اِن خدمات کو بڑی فراست و متانت سے انجام دیا۔ اُس ملک کا ایک ایک چپہ فتنہ و فساد کا اکھاڑا ہو رہا تھا۔ راجہ نے اپنی حکمت عملیون اور جگرداریون سے بڑے بڑے مفسدون کی رگین ڈھیلی کردین۔ اِسکے ساتھ ہی اُسکے لطف و اخلاق نے شرفا پر تسخیر کا عمل پڑھا۔ غول کے غول سلام کو حاضر ہونے لگے۔ تاہم رعایا کو عرصے تک آسودہ نہ رکھ سکا۔ اُسکے سپاہی آخر راجپوت تھے۔ افغانونکی بدعتین اور اُسکے مظالم یاد کرتے تو بے اختیار پیشانیون پر بل پڑجاتے۔ اِس جذبہ مین آکر رعایا کو ستاتے۔ چنانچہ اِسکی شکایتین دربار شاہی مین پہونچین۔ اور راجہ بہار کو بھیجدیے گئے۔

بنگالہ سلطنت اکبری کا وہ نازک حصہ تھا جہان فاسد مادہ مجتمع ہو کر پکا کرتا تھا۔ افغانون نے اپنی تین سو برس کی عملداری مین اُس ملک پر خوب اچھی طرح تسلط جما لیا تھا۔ اکثر وہین آباد ہو گئے تھے۔ اور گو اکبر نے کئی بار اُنکا نشہ ہرن کردیا تھا۔ مگر اب بھی چند ایسے سرباقی تھے جنمین سلطنت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اور وہ وقتاً فوقتاً فتنہ انگیزیان کیا کرتے تھے۔ وہان کے ہندو راجاؤن نے بھی اُنکے ساتھ رشتۂ اتحاد استوار کر رکھا تھا

اور وقت ضرورت پر حق رفاقت ادا کرتے تھے۔
کنور مان سنگھ جاتے ہی راجہ پورن مل کندھوریہ پر چڑھ گیا۔ اور اُسکے گھمنڈ کا قلعہ ڈھا دیا۔ راجہ سنگرام کو بھی تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اور چند دیگر راجاؤن کو زیر کرکے بہار کو مفسدون سے پاک وصاف کر دیا۔ ان خدمات معتبرہ کے صلے مین اُسکو راجگی کا خطاب۔ خلعت خاصہ۔ اسپ بازین زرّین اور منصب پنجہزاری عطا ہوا۔
مگر ایسے اولو العزم۔ جوشیلے راجپوت سے کب خاموش بیٹھا جاتا تھا۔ ۱۵۹۰ء مین اُسنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اڑیسہ مین داخل ہو گیا۔ اُن دنون یہان قتلو خان افغان حکومت کرتا تھا۔ مقابلے پر آمادہ ہوا۔ مگر حسن اتفاق! اسی اثنا مین افغانون مین نا چاقی ہو گئی۔ قتلو خان قتل ہوا۔ باقی سردارون نے اطاعت اختیار کی۔ اور کئی سال تک حلقہ بگوش رہے۔ مگر یکایک اُنکی ہمتون نے پھر سر اُبھارا۔ بادشاہی ملک پر چڑھ آئے۔ راجہ کو بیکاری وبال جان ہو رہی تھی۔ حیلہ ہاتھ آیا۔ فوراً فوج لیکر بڑھا۔ اور حریفون کے علاقے مین نشان اکبری نصب کر دیا۔ افغان بڑے جوش وخروش سے مقابلے کو آئے۔ مگر راجپوت سورماؤن کے آگے ایک بھی پیش رفت نہ گئی۔ دم کے دم مین ستھراؤ ہو گیا۔ بقیۃ السیف اپنی جان لیکر بھاگے۔ اور بہار سے لیکر دریاے شور تک اقبال اکبری کا پھریرا لہرانے لگا۔
راجہ مان سنگھ جیسا جنگ آزمائی کے فن مین ماہر تھا۔ ویسا ہی ملکداری کے اصولون سے آگاہ تھا۔ اُسکی تعمق نے صاف دیکھ لیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے کی نہین۔ یون عملداری کبھی قائم نہ رہیگی تاوقتیکہ ایک ایسا شہر آباد نکیا جائے جو دریائی حملے سے محفوظ ہو۔ اور ایسے مرکزی مقام پر واقع ہو کہ وہان سے چارون طرف آسانی سے کمک بھیجی جا سکے۔ آخر بڑی ردّ و کد۔ صلاح ومشورہ کے بعد اکبر نگر کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ گویا جنگل مین منگل ہو گیا۔ چند ہی سالون مین یہ شہر ایسی رونق پر ہو گیا کہ طلسمات کا عالم دکھائی لگا۔ یہ شہر آج راج محل کے نام سے مشہور ہے۔ اور جبتک صفحہ ہستی پر قائم رہیگا اپنے بانی کا نام روشن کرتا رہیگا۔ اس شہر کے بیچون بیچ مین ایک مستحکم ومنیع قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اور پھر دوبارہ افغانون کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ راجہ نے چار ہی پانچ سال کی جانفشانیون مین سارے بنگال سے اکبر کے قدمون پر سجدہ کرا دیا۔ خان زمان۔ خانخانان۔ راجہ ٹوڈرمل جیسے جیسے نامورون نے بنگالہ پر جادو پھونکے۔ مگر وہان تسلط جمانے مین ناکام رہے

مورخین نے اس فضیلت کا تمغہ مان سنگھ کے نام پر لکھا ہے۔ ان مہمون مین نوجوان جگت سنگھ نے بھی مردانگی کے خوب جوہر دکھائے اور ۱۵۹۶ء مین کوہستان پنجاب کی صوبہ داری سے سرفراز ہوا۔ مگر یہ سال مان سنگھ کے لیے نہایت منحوس تھا۔ اُسکے دو بیٹے عین عنفوانِ شباب کے زمانے مین جبکہ نعمت زندگی سے متمتع ہونے کے دن آرہے تھے اجل کا نشانہ ہوئے۔ اور باپ کی اُمیدون کی کمر توڑ گئے!

مگر غالباً راجہ اب اُن تمام نعمتون سے حظ اُٹھا چکا تھا جو قسام ازل نے اُسکی پیشانی تقدیر مین لکھی تھین۔ اِن پُر ملال۔ جانگداز سانحون کے دو ہی سال بعد اُسکے دل نے ایسے ایسے زخم کھائے جنسے وہ جانبر نہو سکا۔

میواڑ کا رانا ابھی تک گوشگذارون کے حلقے مین نہین آیا تھا۔ اور اکبر کے دل سے لگی ہوئی تھی کہ اُسے اطاعت کا جُوا پہنائے۔ ابھی تک جتنی فوجین اِس مہم پر گئی تھین ناکام لوٹی تھین۔ ایکبار بڑے وسیع پیمانے پر تیاریان ہوئین۔ شہزادہ سلیم کی نام سپہ سالاری ہوئی اور راجہ مان سنگھ اُسکے صلاحکار بنکر چلے۔ ہونہار جگت سنگھ بنگالہ مین باپ کا جانشین ہوا۔ خوش خوش پنجاب سے آگرے آیا۔ اور سامان سفر مین مصروف تھا کہ یکایک دُنیا سے اُٹھ گیا۔ نہایت خوشرو۔ خوش اخلاق جوان تھا۔ کچھواہہ خاندان کے گھر گھر کہرام مچگیا۔ مان سنگھ کو یہ خبر ملی تو اُسکی آنکھون مین جگت سونا ہو گیا۔ دو بیٹون کے زخم ابھی نہ بھرنے پائے تھے کہ یہ زخم اور کاری لگا۔ ہائے! جوان اور ہونہار بیٹے کی موت کا صدمہ کوئی اُسکے دل سے پوچھے! اکبر کو بھی اِس جوانامرگ کا سخت رنج ہوا۔ مرنے والے کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اُسکے بیٹے مہان سنگھ کو بنگالہ بھیجا۔ مگر کنور ابھی ناتجربہ کار تھا۔ افغانون سے شکست کھائی۔ اور سارے بنگال مین باغیون نے خودسری کے نشان بلند کر دیے۔ اُدھر شہزادہ سلیم کی طبیعت بھی رانا کی مہم سے اُچاٹ ہوئی۔ عیش عشرت کا بندہ تھا پہاڑون سے سر ٹکرانا پسند نہ آیا۔ بلا بادشاہ کی اجازت کے الہ آباد کو لوٹ پڑا۔ راجہ بھی بنگالہ کیطرف چلا کہ بغاوت کی آگ کو مفسدون کے خون سے بجھائے۔ مگر افسوس! بڑھاپے مین بدنامی کا دھبہ لگا جسکا راجہ کو نہایت سخت ملال ہوا۔ اکبر کو شبہ ہوا کہ شہزادہ سلیم راجہ ہی کے اشارے سے لوٹا ہے۔ گو اِسکی کچھ بنیاد نہ تھی۔ کیونکہ شہزادہ راجہ سے پہلے سے بدظن تھا۔ مگر راجہ کی کارگزاریون وجانبازیون نے یہ شبہ بہت جلد رفع کر دیا۔ چندہی

مہینون مین بنگالہ پھر سر بسجود ہو گیا۔ اور ۱۶۰۵ء مین اکبر کی قدردانی نے اُسکو شہزادہ خسرو کی اتالیقی پر ممتاز کر کے ہفت ہزاری ۔ چھ ہزار سوار کے منصب پر سربلند کیا۔ ابتک یہ معراج کسی امیر کو میسر نہوئی تھی۔ مگر بجز راجہ ٹوڈرمل کے دوسرا کون تھا جو وفاداری و جان نثاری مین اُسکی برابری کر سکتا۔ اُسپر طرہ یہ کہ وہ خود بھی ایک نامی گرامی خاندان کا چراغ تھا جسکے ساتھ بیس ہزار دلاور ہردم پسینے کی جگہ خون بہانیکو تیار رہتے تھے۔ مگر افسوس! فلک ناہنجار نے اِس اعزاز و اکرام سے زیادہ عرصے تک دامن نہ بھرنے دیا۔ ۱۶۰۶ء مین اکبر نے اِس دار فانی سے رحلت کی۔ اور اُسی تاریخ سے مان سنگھ کا ستارہ بھی زوال مین آیا۔ تاہم جہانگیر کے عہد مین بھی اُسنے نو برس تک عزّت و آبرو کے ساتھ نباہا۔ اُسکی عقل سلیم و سلاست روی کی داد دینی چاہیے کہ جیسا زمانہ دیکھتا تھا ویسا کرتا تھا۔ اور جہانگیر کی بلند حوصلگی کو بھی آفرین ہے کہ گو راجہ کو خسرو کی فتنہ انگیزیون کا بانی سمجھتا تھا مگر اُسکا مرتبہ اور منصب سب بحال رکھا۔ خانخانان اور مرزا عزیز مصلحت بین نگاہین نہ رکھتے تھے اکبر کے بعد جب تک جیے زندہ در گور۔ ادبار کی مصیبتین جھیلتے رہے۔

۱۶۱۵ء مین جہانگیر نے ایک زبردست فوج خان جہان کی سپہ سالاری مین مہم دکن پر بھیجی۔ راجہ مان سنگھ بھی جو کہ دربار کی سرد مہریون و بے نیازیون سے بیزار ہو رہا تھا اِس مہم کے ساتھ چلا۔ کہ اگر ممکن ہو تو بڑھاپے مین جوانی کے جوش دکھا کر بادشاہ کے دل مین جگہ پائیے۔ مگر موت نے یہ ارمان نہ نکالنے دیا۔ بیٹون مین سے صرف بھاؤ سنگھ جیتا بچا تھا۔ جہانگیر نے اُسے مرزا راجا کا خطاب دیکر چار ہزاری منصب پر ممتاز کیا۔

راجہ ملکداری و ملک گیری کے اصولون سے خوب ماہر تھا۔ اور اِنپر خوبی کے ساتھ کاربند ہونا جانتا تھا جس مہم پر گیا سُرخرو لوٹا۔ افغانستان کے لوگ ابھی تک اُسکا نام عزّت سے لیتے ہین۔ اِن فضائل کے ساتھ متواضع۔ ملنسار۔ خوش اخلاق۔ نیک محضر اور شگفتہ مزاج تھا۔ اُسکی دریادلی اُس زمانے مین بھی اپنی نظیر نہین رکھتی تھی۔ جسکی ایک روایت یون بیان کی جاتی ہے۔ جسوقت دکن کو مہم جا رہی تھی بالا گھاٹ مین غلّہ کا ایسا قحط ہوا کہ ایک روپے کے آٹے مین بھی آدمی کا پیٹ نہین بھرتا تھا۔ ایک دن راجہ نے کچہری سے اُٹھکر کہا کہ اگر مین مسلمان ہوتا تو ایک وقت طعام ہزار مسلمانونکے ساتھ کھاتا۔ مگر مین سب کی ریش سفید ہون۔ مجھ سے سب بھائی برگ تنبول قبول کرین۔

سب سے اول خان جہان لودی نے ہاتھ سر پر رکھکر کہا مجھے قبول ہے۔ پھر اورون نے بھی قبول کیا۔ راجہ نے یومیہ ایکسو روپیہ پنجہزاری کا اور اسی حساب سے اورون کا صرفہ دعوت مقرر کیا۔ ہر رات کو ایک خریطہ مین ہر شخص کے پاس یہ روپیہ پہونچ جاتا۔ خریطہ پر اُسکا نام لکھا ہوتا۔ سپاہیون کو رسد پہونچنے تک سستی قیمت پر جنس مہیا کرواتا۔ حتےٰ کہ راہ مین مسلمانون کے واسطے حمام اور کپڑے کی مسجد بنا کر ایستادہ کرواتا۔ اِسکو فیاضی کہتے ہین! اور دریا دلی اِسکا نام ہے۔ باغ و بہار مین شہزادی بصرہ کا قصہ پڑھیے۔ اور اُسکا موازنہ اِس تاریخی روایت سے کیجیے!

راجہ ٹوڈر مل کی طرح راجہ مان سنگھ بھی مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب پر راسخ رہا۔ مگر تعصب سے اُسکی فطرت کو ذرہ بھر بھی لگاؤ نہ تھا۔ متصب آدمی کا دورِ اکبری مین عروج پانا ناممکنات سے تھا۔ اکبر نے راجہ سے ایکبار کنایتہً تبدیل مذہب کی تحریک کی تھی۔ مگر راجہ نے ایسا برجستہ جواب دیا کہ بادشاہ کو خاموش ہوجانا پڑا۔ کتابون مین بہت سے تذکرے ہین جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ لطیفہ گوئی۔ بذلہ سنجی و نکتہ فہمی مین بھی اورون سے دو قدم آگے تھا۔ یہی اوصاف تھے جو اُسکے عروج کے زینے تھے۔

مگر ہماری نظرون مین تو اُسکی وقعت اسلیے ہے کہ اُسکے خاندان نے پہلے پہل متضاد عناصر مین اجتماع پیدا کرنے کی کوشش کی۔

نواب رائے

محبت تم جانتے ہو کیا شے ہے؟ ایک اتفاقی پسند ہو۔ تمہین ایک شے بھلی لگتی ہو دوسرے کو بھلی نہین لگتی۔ اِسی طرح بالعکس۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جو چیز تمہین بھاتی ہو وہی سبکو بھائے؟ یہ بات کیونکر چل سکے گی۔ ابوالفضل ہی نے ایک جگہ کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے کہ جو شخص تمہارے خلاف رستہ چلتا ہے۔ حق پر ہے یا ناحق پر۔ اگر حق پر ہے تو احسانمند ہو کر پیروی کرو۔ ناحق پر ہے تو یا بے خبر ہے یا جان بوجھکر چلتا ہے۔ بے خبر ہے تو اندھا ہے۔ واجب الرحم ہو اُسکا ہاتھ پکڑو۔ جان بوجھ کر چلتا ہے تو ڈرو اور خدا سے پناہ مانگو۔ غصہ کیا اور جھگڑنا کیا؟۔

آزاد

مشہور تو یون ہے کہ ہندوستان مین اسلام کا زمانہ محمد غوری سے شروع ہوتا ہے مگر حقیقت مین دور اسلامی حضرت خواجہ حسن سنجری المعروف بہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے چلا۔ اور انھین کے سلسلہ سے سلسلۂ اسلام ابتک اس سرزمین پر باقی ہے۔

بادشاہون نے ملک فتح کیا۔ اور چشتیون نے دلون کی اقلیم۔ یہ مملکت ہاتھ مین نہ کیجاتی توجو المرد ہندوستان پر قبضہ رکھنا محال تھا۔

خواجہ حسن محمد غوری سے پہلے یہان تشریف لے آئے تھے۔ اور اسکے فتوحات کے قبل خواجہ حسن کو کئی مقام پر فتح حاصل ہو چکی تھی۔ جون جون زمانہ آگے بڑھا چشتیونکا اثر عالمگیر ہوتا گیا۔ محمد غوری کے غلامون نے جبتک بادشاہی کی (خواجہ اجمیری کے جانشین) خواجہ قطب الدین بختیار دہلوی اور اُنکے خلفا کے غلام رہے۔ قطب الدین ایبک و شمس الدین التمش وغیرہ خواجہ قطب صاحب کے مرید و حلقہ بگوش تھے۔ اور غیاث الدین بلبن کو (قطب صاحب کے جانشین) حضرت بابا فرید الدین گنجشکر سے ارادت تھی۔ بلکہ بعض آثار سے پایا جاتا ہے کہ بلبن نے اپنی لڑکی بذریعۂ نکاح باباصاحب کی خدمت مین نذر کی تھی۔ باباصاحب کے بعد اُنکے جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی اور اُنکے خلفا کے ساتھ شاہان خلجی و تغلق و لودھی کا بھی نہایت مخلصانہ و نیازمندانہ برتاوہ رہا۔ اور یہ حضرات بھی اپنے بزرگونکی طرح ان بادشاہون کو ظاہری و باطنی مدد دیتے رہے۔ چنانچہ جسوقت مسلمانون کو دکن مین اپنا اثر بڑھانے کی ضرورت پڑی تو حضرت محبوب الٰہی نے اپنے پانسو خلفا وہان بھیجدیے۔ جنکے باعث دکن آج گلزار چشت بنا ہوا ہے۔

اسی سلسلۂ چشت مین حضرت شیخ سلیم چشتی ہین جنکو مغل اور پٹھان دونون قومونکے بادشاہون سے سابقہ پڑا تھا۔ اور ان دونون قومون کے خیالات اگر ایک چیز پر مجتمع و متفق

ہوئے تھے تو وہ صرف حضرت شیخ کی عقیدت و محبت تھی۔
چونکہ حضرت شیخ کو شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے زیادہ تعلق رہا ہے اسلیئے رسالہ زمانہ کے اکبر نمبر کے لئے مفصلہ ذیل کتابون سے اُنکے چند مختصر حالات اخذ کرکے ایکجا کر دیے ہین۔ تاکہ اکبر کی زندگی کے ایک ضروری حصہ پر روشنی پڑ جائے۔
تاریخ فرشتہ مین آپکا تذکرہ بہت ہی اختصار سے کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخیار مین لکھا ہے۔ تزک جہانگیری اور ملا عبدالقادر کی تاریخ مین بھی حضرت شیخ کے حالات ملتے ہین۔ لیکن سب سے زیادہ جواہر فریدی مین آپکے حالات جمع کیے گئے ہین جو جہانگیر کے زمانہ مین لکھی گئی تھی۔ میرے پاس اسکا ایک قدیمی قلمی نسخہ ہے۔
مذکورہ کتابون سے ذیل کی عبارت مرتب کی گئی ہے۔
حضرت شیخ کا سلسلۂ نسب بابا صاحب تک اس طرح پہونچتا ہے۔
شیخ سلیم بن خواجہ بہاءالدین بن خواجہ مہتہ۔ بن خواجہ سلیمان بن شیخ آدم۔ بن خواجہ معروف بن خواجہ موسیٰ۔ بن خواجہ مودود بن خواجہ بدرالدین بن حضرت بابا گنجشکر رضؓ۔
حضرت شیخ کی ولادت کے قبل آپکے والدین لودھیانہ مین رہتے تھے۔ اسکے بعد دہلی کو وطن بنا لیا۔ شیخ دہلی ہی مین حضرت علاءالدین زندہ پیر کی سرائے مین پیدا ہوئے۔ جب نو برس کی عمر ہوئی آپکے والدین دہلی چھوڑکر سیکری چلے گئے اور وہین اقامت اختیار کرلی۔ اس اثنا مین آپکے والدین کا انتقال ہوگیا۔ اور تربیت آپکے برادر بزرگ خواجہ موسیٰ کے حصہ مین آئی۔
چونکہ خواجہ موسیٰ لاولد تھے حضرت شیخ کو خاص شفقت و محبت سے پرورش کیا جب ایکی عمر چودہ برس کی ہوئی سفر اختیار کیا۔ اور سرہند مین مولانا مجدالدین سے علم ظاہر حاصل کرنے لگے سترہ برس کی عمر تک علوم ظاہری کی تحصیل کی اسکے بعد تکمیل باطن کے شوق مین اپنے جد امجد کے مزار پر پاکپٹن شریف مین حاضر ہوئے۔ اور دیوان شیخ ابراہیم سجادہ نشین حضرت بابا صاحب کے مرید ہوکر مجاز بیعت ہوئے۔ خاندان کی تمام نعمتین اور برکتین لیکر اٹھارہ سال کی عمر مین زیارت حرمین کے لئے عرب کا سفر کیا۔ اور وہان کئی سال رہکر متعدد حج کئے۔ اسکے بعد ۳۰ برس کی عمر تک تمام بلاد عرب شام و بغداد وغیرہ کی سیر کرتے رہے۔ اور وہان کے

مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ نیز اپنی ذات سے وہان کے باشندونکو فائدہ پہونچایا۔
خاص مدینۂ منورہ کے متوّلی شیخ رجب چلبی آپ کے خلیفہ تھے۔ اُندلس مین سید محمود مغربی کو آپ سے خلافت تھی۔ اور دمشق مین شیخ محمود سامی آپکے مختار خلفا مین شمار کیے جاتے تھے۔
جب آپ بغداد مین آئے تو مزار پاک حضرت غوث الاعظم کی جانب سے علاوہ فیوض باطنی کے سفید صوف کا ایک خرقہ دیا گیا جو ۱۳۳۳ھ تک پاکپٹن شریف مین دیوان فیض اللہ صاحب کے پاس موجود تھا۔
حضرت شیخ کی روحانی تربیت اگرچہ سے اول سے آخر تک حضرت بابا گنجشکر سے ہوئی لیکن فیض دوسرے سلسلہ کے بزرگون سے بھی ملا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا غوث الاعظم۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند۔ خواجہ احرار وغیرہ۔ ہندوستان کے اکثر شہرون مین آپکے خلفا پائے جاتے تھے۔ بعض کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہین۔
آپکے چچازاد بھائی شیخ کمال الور مین۔ شیخ طاہا گجرات مین۔ شیخ محمد شروانی پٹن علاقہ گجرات مین۔ شیخ ابراہیم بدیوان مین۔ شیخ عماد بن شیخ معروف گوالیار مین۔ شیخ یوسف کشمیر مین۔ شیخ جیوا۔ شیخ بھکاری۔ شیخ سدھاری دہلی مین۔ شیخ ابراہیم صوفی سرہند مین۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔
طول طویل سفر سے واپس آکر کوہ سیکری پر اقامت فرمائی جو اُندنون درندون کا مسکن تھا۔ مگر آپکی سکونت کے بعد شہر کی سی رونق ہوگئی۔
جواہر فریدی مین لکھا ہے کہ جب حضرت شیخ مدینہ منورہ مین حاضر ہوئے تو ارادہ کیا کہ اب ہندوستان واپس نہ جاؤن اور در رسول پر رہکر جان دیدون۔ مگر بارگاہ رسالت سے روحانی اشارہ ہوا کہ تمکو ہندوستان جانا چاہیے وہان تمھاری ذات سے ہزارون آدمیونکو فائدہ پہونچے گا خاصکر خلیفہ وقت کو۔
یہ معلوم کرتے ہی حضرت واپس چلے آئے۔
اندنون اکبر کی حکومت تھی۔ اور وہ اولاد کی تمنا مین اکثر بزرگون کیخدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اجمیر شریف مع بادشاہ بیگم کے پیدل گیا تھا۔ اور پاکپٹن شریف مین بھی دیوان شیخ تاج الدین سجادہ نشین باباصاحب سے دعا کرانے کے لیے حاضری دی تھی

لیکن جب پاکپٹن شریف حاضر ہوا تو دیوان صاحب نے فرمایا کہ تمھارا مطلب برادرم شیخ سلیم سے پورا ہوگا جو کوہ سیکری پر مقیم ہین۔ یہ سُنکر اکبر حضرت کیخدمت مین حاضر ہوا اور بکمال نیازمندی قدم بوسی کرکے حرف مطلب عرض کیا۔ حضرت نے تبسّم کرکے ارشاد فرمایا بابا گھبراؤ نہین۔ خدا تعالےٰ فرزند عطا کرے گا۔

چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ شہنشاہ بیگم کو حمل ہے اکبر یہ سُنکر بیحد مسرور ہوا۔ اور اس خبر کو کرامت شیخ تصور کرکے حکم دیا کہ تا انقضاء مدت حمل شہنشاہ بیگم حضرت شیخ کے مکان مین رہے۔ حضرت نے اول انکار کیا لیکن جب شاہ کا اصرار الحاح تک پونہچا تو منظور فرمالیا۔ چنانچہ حمل کے تمام ایام حضرت شیخ کے دولتخانہ مین بسر ہوئے۔ اور نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ وہین پیدا ہوا۔

جسوقت اکبر کو یہ اطلاع ہوئی خوشی سے جامہ مین نہ سمایا اور فتح پور حاضر ہوکر شیخ کی قدمبوسی حاصل کی۔ اسکے بعد نوزائدہ فرزند کو سینہ سے لگاکر حضرت شیخ سے نام رکھنے کیلئے عرض کیا۔ آپنے فرمایا اس کا نام میرا نام ہے۔ اُسی دن سے شہزادہ کو سلطان سلیم کہنے لگے۔ تولید فرزند کے بعد اکبر نے التجا کی کہ یہ بچہ حضور کا ہے اسکی پرورش بھی یہین ہونی چاہیے۔ آپنے قبول فرمایا۔ اسکے بعد اکبر نے حکم دیا کہ اس پہاڑ پر محلات شاہی اور شیخ کی خانقاہ و مسجد نہایت عالیشان تعمیر کیجائے۔ چنانچہ اس ویران اور اُجاڑ جنگل مین وہ وہ فلک نما عمارتین بنی ہین جنکو دیکھنے کے لئے تمام دنیا کے سیاح آتے ہین۔

شہزادۂ سلیم کو تمام جہان کی نعمتون مین سب سے بڑی نعمت یہ حاصل تھی کہ حضرت شیخ کی زوجہ کا دودھ پیا تھا۔

شیخ قطب الدین افغن خاتون کے بطن سے تھے اور شہزادہ سلیم کے دودھ شریک تھے۔ جنکو جہانگیر نے بنگالہ کا حاکم بنا کے بھیجا تھا۔ یہی حضرت شیر افگن خان کے ہاتھ سے شہید ہوکر اُسکے گھر بار کی ضبطی کا سبب بنے تھے۔

شہزادہ سلیم کی پیدائش کے بعد اکبر کو فتحپور مین رہنے کا شوق سا ہوگیا تھا۔ وہ اکثر اوقات حضرت شیخ کی خدمت مین حاضر رہتا اور فیض صحبت حاصل کرتا تھا۔ اسکی طبیعت مین صلح کل کا مادہ حضرت ہی کی صحبت کے سبب پیدا ہوا تھا۔

اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ اکبر کو حضرت سے اس قدر عقیدت تھی کہ کسی قسم کا راز

باقی نہ تھا جو آپ پر ظاہر نہو۔

آخر وہ زمانہ بھی آیا جو سب کو پیش آنا ہے۔ یعنی ۹۷۹ھ۔ رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف کی حالت۔ ۱۲ تاریخ۔ پنجشنبہ کی پچھلی رات تھی کہ یہ چشتیون کا ستارہ جھلملا جھلملا کر غروب ہو گیا۔ وفات کے وقت اکثر خلفا و مریدین اور تمام اہلبیت حلقہ بنائے بیٹھے تھے ان سب کو وصیتین فرمائین۔ اور صبر و استقلال کی فہمائش کی۔

جس وقت جنازہ اُٹھا بے شمار خلقت ساتھ تھی۔ خود شہنشاہ اکبر حاجی عبد النبی اور مخدوم الملک دور تک جنازہ مبارک کندھے پر اُٹھائے رہے۔

۹۵ سال کی عمر پائی۔ آٹھ لڑکے اور چودہ لڑکیاں کل ۲۲ اولادین باقی چھوڑین۔ مزار مبارک پر جسقدر عمارت ہے اسکا اکثر حصہ آپکی حیات مین تیار ہو گیا تھا۔ خانقاہ کی تاریخ بنا خانقاہ اکبر ہے۔ اکبر سے پہلے شیر شاہ اور سلیم شاہ و خواص خان وغیرہ کو بھی آپ سے خاص ارادت تھی مگر ہمیون نے وہ بات نہ رکھی اور شاید کچھ ایذا بھی پہونچائی جسکے سبب حضرت نے دوبارہ سفر کیا تھا۔

جب آپکے صاحبزادہ شیخ قطب الدین شیر افگن کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تو جہانگیر نے آپکے پوتے شیخ علاء الدین کو اسلام خان لقب دیکر بنگالہ کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ جوانی مین حضرت شیخ کا لباس بھی سیاہیانہ رہتا تھا۔ آخر عمر تک روز صبح کے وقت ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے تھے۔ اور باریک کپڑے کا صرف ایک کرتہ پہنتے تھے۔ کیسی ہی سخت سردی پڑتی مگر اس معمول مین فرق نہ آتا۔ نماز عموماً اول وقت پڑھ لیتے تھے۔ انکی محفلین امرا کی طرح روک ٹوک کی ہوتی تھین۔ جسکو چاہتے آنے دیتے جسکو چاہتے روکدیتے۔

آخر تک جسمانی صحت ایسی عمدہ تھی کہ برابر طے کے روزے رکھتے مگر کسی قسم کا ضعف نہوتا۔ خوراک نہایت سادہ تھی۔ عمدہ نباتات کا استعمال کرتے تھے۔

کثیر الاولادی اور ریاضت ہائے شاقہ کے باوجود ۹۵ برس زندہ رہے۔ یہ سب پاکبازی اور روحانی ریاضت کا صدقہ تھا۔

حسن نظامی

عارفِ بینظیر شیخ سلیم مرشد و رہنمائے ہفت اقلیم

سالِ ترحیل آن ولی کریم ہاتفم گفت۔ بدرِ خلد سلیم

۹۹۰ھ

شہنشاہِ اکبر

اور

تمدنی اصلاح

شہنشاہ اکبر کے اُن اقوال مین جنکو ابوالفضل نے اپنی یادگار تصنیف آئین اکبری مین مدوّن کیا ہے۔ اکثر ایسی باتین پائی جاتی ہین جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر مین رفارمری کی بہت بڑی قابلیت تھی۔ یہ اقوال درحقیقت نہایت ہی قابل قدر ہین۔ عورتونکی اصلاح حالت کے بارے مین اکبر کے جو خیالات تھے وہ اُسکے اقوال ذیل سے ظاہر ہوتے ہین۔

"خردے را کتخدا کردن ناخوشنودی ایزدیست چہ ہرا نچہ ازین کار کرد میخواہند بس دور و چندین گزند نزدیک۔ و در آئینے کہ زن شوے دیگر نکند بس دشوار۔"

ترجمہ۔ بچّون کی شادی کرنا خدا کو ناخوش کرنا ہے کیسلیے کہ اس شادی سے جو مطلب چاہا جاتا ہے وہ ایسی حالت مین نہایت دُور ہے بلکہ بجائے اُسکے خطرے قریب ہین اور ایسے لوگون کے لیے جنکے آئین مذاہب مین ایک عورت دوسرا شوہر نہین کر سکتی ہے نہایت سخت ہے۔

"زیادہ از یک زن پژوہش کردن درخون خویش تگاپو نمودن ست اگر تاز او برآید یا فرزند او نپاید گنجائش دارد۔"

ترجمہ۔ ایک سے زیادہ عورت تلاش کرنا اپنی تباہی اور ہلاکت کی کوشش کرتا ہے۔ اگر عورت بانجھ ہو یا اُسکا لڑکا زندہ نہ رہتا ہو تو اُس حالت مین اسکی گنجائش ہوسکتی ہے۔

"زنان ہندوستان جان بے بہا را بس کم ارز ساختہ اند۔"

ترجمہ۔ ہندوستان کی عورتون نے اپنی بے بہا جان کو نہایت کم قیمت کر دیا ہے۔

در ہندوستان رسمے ست پاستان کہ زن پس از فروشدن شوہر ہر چند بہ تحولیف داشتہ باشد خود را بآتش اندازد و جان گرامی خود را بکشادہ پیشانی در بازد و آنرا سرمایۂ رستگاری شوہر داند شگفت از ہمت مردان کہ بدست آویز زن رہائی خویش برجویند

ترجمہ - ہندوستان کی رسم قدیم ہے کہ اگر کسی عورت کو کیسی ہی تہدید کیجاتی ہے مگر وہ اپنے مردہ شوہر کی لاش کے ساتھ جلنے سے باز نہین آتی - اُسکو یقین کامل ہے کہ شوہر کے ساتھ ستی ہونا اُسکے شوہر کی نجات کا ایک ذریعہ ہے اور وہ بڑی ہنسی خوشی کے ساتھ اپنی زندگی کو قربان کردیتی ہے - مردون کی دلیری اور ہمت پر سخت حیرت ہے جو عورتون کی خودکشی سے اپنی نجات کے خواہان اور طالب ہین -

قیصر اور شارلمین کی طرح اکبر بھی ایک عالمگیر ایجاد اور اختراع کے لیے پیدا ہوا تھا لیکن جو امر اکبر کو ابتک ایک ارفع درجہ پر قائم کرتا ہے اور زمرۂ سلاطین مین اُسکو ایک ہادی قرار دیتا ہے اور ہمارے زمانۂ حال کے رہنماؤن کا پادشاہ بناتا ہے وہ اُسکی اصلاحی تجویز کی اوریجنیلٹی اور عظمت ہے جو اُسنے ہندوستان کی آیندہ نسل کے لیے سوچی تھی ہمارے زمانے کے نظام آزادی کا کوئی موجد جو نہایت روشن خیال اور نہایت فیاض طبع اور نہایت سچا تمدنی مصلح ہے بہت بڑی احسانمندی کے ساتھ تسلیم کریگا کہ وہ ہمارے نامور مشہور سابقین کا اوّل پیشوا اور رہنما تھا - اکبر جسکو معقولات سے بڑی دلچسپی اور محبت تھی خلوص اور استقلال مین اپنے عالی تبار معصر سلاطین یورپ سے بھی گوے سبقت لیگیا تھا جب ولیم خاموش نے مذہب کیتھلک کو لوتھر کے مذہب سے اور لوتھری مذہب کو کالمینی مذہب سے بغیر کسی تذبذب کے بدل ڈالا اور جب ہنری نیبر نے بڑی آزادی کے ساتھ اعلان کیا کہ پیرس اجتماعی عبادت کے قابل ہے تو اکبر نے بڑی دلیری کے ساتھ اسلام کا کٹر پہلو اُسوقت تبدیل کردیا جب اُسکا عنفوان شباب تھا اور اپنے آخری دم تک اپنے جدید مذہب پر قایم اور منہمک رہا - پس یہ نہین کہا جاسکتا کہ اکبر نے اپنی زندگی مین جو کام کیا تھا وہ بے سود تھا - ہرچند اُسکا خاندان تباہ اور برباد ہوگیا لیکن اُسکی ہندوستانی سلطنت ابتک زندہ اور باقی ہے اور اُسکے نقش قدم کا سراغ حکمت عملی کی اُن شاہراہون سے ملتا ہے جسکی پیروی اُسکے برٹش جانشین کر رہے ہین اگرچہ اُسکے مذہبی عقاید اور خیالات

نہایت فلسفیانہ تھے جسکو خود اُسکی اولاد و انسال نے قبول نہین کیا لیکن اب ہمارے زمانے کے بہت سے مہذب و تعلیم یافتہ لوگون نے خفیف تبدیلی کے ساتھ اسکو قبول کرلیا ہے اور مشہور شاعر لارڈ ٹینسن نے اپنی حیات کے آخری زمانے مین ان خیالات کو دو انگریزی نظمون کے دلفریب قالب مین ڈھالا ہے جنکے نام خواب اکبر اور زمزمہ آفتاب ہین۔ لیکن ہندوستان کی بدقسمتی سے اکبر کے تمدنی خوابون کا حاصل ہونا ہنوز دہلی دُور است کا معاملہ ہے۔

اکبر نے مردم ترسی اور ملکی ادراک کے جوش مین آکر اس امر کی تجویز اور کوشش کی تھی کہ بعض قیصرسان تمدنی اصلاحات ہندوستان مین جاری کیجائین۔ ہرچند یہ کارروائیان بطور احتیاطی آزمایش کے تھین جنکا سلسلہ اُسکی وفات کے بعد ہی منقطع ہوگیا۔ تاہم یہ آزمایشین نہایت ہی اہم تھین اب اُنکا ذکر صرف تاریخون مین باقی رہگیا ہے۔ لیکن ہمارے فرمانرواؤن اور تمدنی تحریکات کے سرغناؤن کی اقتدا و رہنمائی کے لیے بیش بہا سبق دےسکتی ہین۔ اور اسلیے ہم اس موقع پر اکبر کے تمام وہ تمدنی آئین جو اُسکے مورخ معاصرین کی کتابون مین پائے جاتے ہین بحیثیت مجموعی بیان کرنا چاہتے ہین اکبر کی تمدنی اصلاح کے پروگرام مین مندرجۂ ذیل نہایت ضروری امور داخل تھے۔

(۱) قومون کا باہمی اختلاط و ارتباط (۲) صغرسنی کی شادی کا انسداد (۳) تعدد ازدواج کا بند کرنا (۴) رسم ستی کا اُٹھادینا (۵) ہندو بیوہ عورتون کے عقد ثانی کا رواج۔

اکبر نے اوائل ہی مین خیال کیا تھا کہ ہندو اور مسلمانون کے میل جول مین تدریج ترقی کیجائے سنہ ۱۵۶۲ء مین جب اسکی عمر صرف بیس برس کی تھی تو اُسنے راجہ بہارامل والی امیر کی دختر سے شادی کی۔ علاوہ ایک زبردست خاندان راجپوت پر فتحمندی حاصل کرنے کے نوجوان شہنشاہ کی اس کارروائی کا بہت بڑا مقصود یہ تھا کہ مختلف اقوام مین مخلوط شادیون کا حوصلہ دیا جائے کیونکہ ایسی شادیان گذشتہ زمانے مین بالکل غیر معروف نہ تھین۔ لیکن وہ جبریہ شادیان تھین۔ اور ہندو عروس کو بلا حجت مذہب اسلام قبول کرنا پڑتا تھا لیکن اکبر نے جو اُسوقت ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا۔ اپنے ہندو ازدواج کو اجازت دیدی تھی کہ اپنے دھرم کرم پر قائم رہین اور حرم مین

اپنے مذہبی رسوم و اعمال بجا لائین جس سے ایک ایسی عجیب و غریب مثال قائم ہوئی جسمین بغیر تبدیل مذہب تمدنی ربط و ضبط پیدا ہوسکتا تھا لیکن اس مثال کی پیروی شاہی محلات کی چار دیواری کے باہر نہین ہوئی - اور اسطرح ایک دستور جسکا رواج اگر سلطنت کے اُمرا اور عمائدین مین پھیل جاتا تو اُس سے ہماری سوشل عمارت کی بنیاد دوبارہ قائم ہوتی وہ اپنے اثر مین بالکل ناکام رہا - اِس مقصد کی ترقی کے لیے ایک بلا واسطہ طریقے سے اکبر نے ۱۵۹۴ء مین چند قواعد مرتب کیے جنکی رُو سے جملہ نومسلم طبقے کے لوگ ہندو مذہب مین داخل ہوسکتے تھے - اکبر کا خود قول ہے کہ "پیشتر مردم را بزور در کیش خودمی آوردیم وآنرا مسلمانی می شمردیم چون آگہی افزود بشرمندگی درشدیم خود مسلمان ناشدہ دیگرے را برآن داشتن ناسزا وانچہ بزور میگیرند کی نام دینداری گیرد"

ترجمہ - پہلے آدمیون کو مین اپنے مذہب مین بزور لاتا تھا اور اُسکو مین مسلمانی سمجھتا تھا لیکن جب آگہی بڑھی تو مین اس کام سے شرمندہ اور نادم ہوا خود مسلمان نہونا اور دوسرون کو مسلمان کرنا بالکل لغو ہے اور جو کام زور و جبر کے ساتھ کیا جائے وہ دینداری نہین ہوسکتا "

مورّخ بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ مین لکھا ہے کہ اگر کوئی ہندو اپنی مرضی کے خلاف مسلمان ہوجاتا تھا تو اُسکو اجازت ہوتی تھی کہ وہ بشرط پسند پھر اپنے آبائی مذہب مین واپس جائے اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان کے پھندے مین پڑکر اپنا مذہب تبدیل کرتی تھی تو وہ زبردستی اُس سے چھین لیجاتی اور عورت کے خاندان کو واپس دیجاتی تھی۔

اکبر نے ہندوؤن مین قومی تعصبات و توہمات کے مٹانے کے لیے ایک نیا مذہب ایجاد کیا تھا جسکا نام دین الٰہی تھا - ہرچند بدایونی نے اکبر کے اِن خیالات کی نہایت توہین اور تہجین کی ہے - لیکن اِسمین اصلا شک نہین ہے کہ اکبر ایک بہت بڑا عالی دماغ بادشاہ تھا اور اسکے تمدنی عزایم نہایت بلند اور مرتفع تھے - اِسکو بہت جلد یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ جب اسلام مین عصبیت باقی نہ رہیگی تو قومونکے باہمی اختلاط اور امتزاج مین کوئی امر رفع نہین ہوسکتا اور اُسکے جدید مذہب کے اختیار کرنے سے تمام وہ تمدنی دیوارین شکست ہوسکتی تھین جو ایک ہندو کے چارونطرف گھری ہوئی تھین اور اُسکو اسمین داخل نہونے دیتی تھین - اور اسلیے اکبر لبا اوقات مریدون کے

انتخاب مین ہندو مریدون کا زیادہ طرفدار و حامی تھا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اُن لوگونکا اصلی منشا جنھون نے دین آلہی قبول کیا تھا محض یہ تھا کہ عہدے اور مناسب حاصل کرین اگرچہ شہنشاہ نے بڑی کوشش کی کہ اُنکے دماغون سے یہ خیال نکلجائے لیکن ہندؤن کے معاملے مین اسنے خلاف کارروائی کی جنکی وہ کافی تعداد حاصل کرسکتا تھا۔ ہان ہندؤن کے علاوہ اگر کوئی اور شخص شہنشاہ کا مرید ہونا چاہتا تھا تو اکبر اُسکو چشم نمائی کرتا یا سزا دیتا تھا۔

دربار اکبر کے ہندو امرا مین باستثنا ، راجہ بیربل کے کسی نے اُسکا مذہب نہین قبول کیا تھا جسکی نسبت راسخ الاعتقاد مسلمان مورخون نے شہنشاہ کی گمراہی کے لیے سخت طعن اور تشنیع کی ہے۔

راجہ بھگوان داس والی اسیر اور اُسکے دلاور بیٹے راجہ مان سنگھ نے علی الاعلان اکبر کی اسلیے نفرین کی کہ اُسنے دین آلہی کے اختیار کرنے کے لیے فہمائش کی تھی لیکن تمام طبقہ و فرقہ کے لیے ہزار آدمیون مین جنکا تذکرہ ابوالفضل نے کیا ہے اور جنھون نے اکبر کا جدید مذہب اختیار کرلیا تھا اکثر ایسے ہندو بھی ہون گے جو اپنے جلیل القدر روحانی رہنما کی وفات پر اپنے قدیم ڈھرّے پر پھر واپس آئے ہونگے ابھی ہمنے اکبر کے اُس قول کو بیان کیا ہے جسمین اُسنے بچپن کی شادی ناپسند کی تھی۔ ابوالفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے کہ اکبر کو اِن شادیون سے نفرت کلی ہے جو سن بلوغ کے قبل مرد اور عورت مین وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اِسکا ثمرہ اچھا نہین ہوتا اور شہنشاہ اسکو نہایت مضرت رسان خیال کرتا ہے۔ وہ دستورالعمل جسمین کم سے کم شادی کی عمر قرار دیگئی تھی سنہ ۱۵۸۰ء مین جاری کیا گیا تھا جسکا مضمون یہ تھا کہ لڑکیان چودہ برس کی عمر کے پہلے اور لڑکے سولہ برس کی عمر سے قبل بیاہے نہ جائین۔ اور اس حکم کی توثیق کے لیے یہ فرمان جاری ہوا تھا کہ کسی معاہدۂ شادی کے استحکام کے لیے عروس اور داماد کی رضامندی ضروری ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ ہندوستان مین جہان مرد اُس عورت کو نہین دیکھ سکتا ہے جو اُسکے ساتھ منسوب ہوئی ہے بہت سی عجیب غریب وکین ہین۔ لیکن شہنشاہ کا خیال ہے کہ شادی کے معاہدے مین دولھا اور دلھن کی رضامندی اور والدین کی اجازت نہایت ضروری ہے۔ اِن احکام اور قواعد کے اجرا مین اکبر نے

بڑے بڑے انتظام کیے تھے اعلے طبقے کے دولھا اور دلھن کے حالات کی تحقیقات کے لیے افسر مقرر تھے۔ اکبر نے دو ہوشیار اور لائق آدمی مقرر کیے تھے جنمین ایک دولھا کے حالات دریافت کرتا تھا اور دوسرا دلھن کی تحقیقات کرتا تھا۔ ان دونون افسرونکا لقب طوے بیگی تھا۔ بہت سی حالتون مین یہ کام ایک ہی افسر سرانجام کرتا تھا۔ کوتوال کو عوام کے لیے طوے بیگی کی خدمات مفوض تھین۔ مورخ بدایونی لکھتا ہے معمولی آدمیون کے کسی لڑکے یا لڑکی کا عقد اُسوقت تک ممکن نہ تھا جبتک وہ کوتوالی مین نہ جائین اور کوتوال کے مددگار اُنکو دیکھ نہ لین اور جانبین کی عمرون کی تعداد متحقق نہو جائے اور اسطرح بڑی بڑی رقمین جو تقریباً اور قیاس سے خارج ہین اُن لوگونکی جیبون مین پہونچنے لگین جو کوتوالی مین ملازم تھے۔ علی الخصوص اسکا بہت بڑا حصہ پولیس افسرون کو ملتا تھا اور چھوٹے چھوٹے خوانین اور دوسرے اشرار بھی اس سے منتفع ہوتے تھے۔

مورخون کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ اکبر کے اُس دستورالعمل نے جو صغرسنی کی شادی کے خلاف تھا۔ افسرونکی رشوت ستانی کے لیے ایک نیا راستہ کھولا تھا۔ حالانکہ یقینی امر یہ ہے کہ اس معاملے مین عمر کی سند کے حاصل کرنیکے لیے چند ٹکے درکار تھے۔ اس زمانے کے افسرون کی اخلاقی حالت کا اور لوگون کی صابرانہ اور بیجا قدامت پرستی پر جب خیال کیا جائے جنکی اولاد نے اکبر سے تین صدی اور یوروپین تعلیم کی نصف صدی سے زیادہ کے بعد قانون رضامندی عمر کے نفاذ کے خلاف جو اُس سے کہین مدھم کارروائی تھی غل وشور مچایا تھا تو اسکی نسبت کوئی حیرت اور استعجاب نہین ہوسکتا۔ مندرجۂ ذیل دستورالعمل تعدد ازدواج کے خلاف ۱۵۸۷ء مین نافذ ہوا تھا۔ باستثناء عقیمہ ہونے کے کوئی شخص ایک سے زیادہ عورتون کے ساتھ شادی نہین کرسکتا۔ لیکن اور حالتون مین قاعدۂ کلیہ یہ تھا کہ ایک خدا اور ایک بی بی۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ شہنشاہ نے کبھی منظور نہین کیا کہ کوئی شخص ایک سے زیادہ شادی کرے کیونکہ اس سے انسان کی صحت تباہ ہوجاتی ہے اور اُسکے گھر کی امنیت اور عافیت مٹ جاتی ہے۔

یہ امر نہایت مشتبہ ہے کہ اس دستورالعمل کے نفاذ کے لیے اکبر کی جانب سے کوئی سخت کوشش ہوئی تھی یا نہین۔ شہنشاہ نے خود گیارہ ازواج کی تھین اور اس سے

ممکن ہے کہ اسکی آزادانہ کارروائی سے اسکے معاصرین پر کوئی بہت بڑا اثر نہ پڑا ہو
حتی کہ اسکی اشاعت سے اکبر کے خاص محلات مین بھی اس سے تجاہل کیا گیا تھا لیکن اس
نقص کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ سوا شاذ و نادر مستثنیات کے اکبر نے اپنی اور اپنے
بیٹون کی جو شادیان کی تھین وہ زیادہ تر ملکی مصالح پہ مبنی تھین - ابوالفضل لکھتا ہے کہ
شہنشاہ ہندوستان کے راجاؤن یا دوسرے ممالک کے شہزادون سے جو ازدواجی
اتحاد پیدا کرنا چاہتا ہے اس سے اسکا صرف یہ مقصد ہے کہ ان رشتون اور قرابتون
سے دنیا کے امن و امان مین خلل اور فتور نہ پڑنے پائے - بیوہ کے ستی ہونے کے
دستور کی نسبت اول ہی سے اکبر کی توجہ مائل ہوئی تھی جسکو وہ نہایت ناپسند کرتا
تھا - ابوالفضل اکبرنامہ مین لکھتا ہے کہ شہنشاہ نے جب سے اس ملک کی زمام حکومت
اپنے دست اقتدار مین لی ہے - ہر شہر و ضلع مین نگران حاکم مقرر ہوتے ہین جو بڑے
حزم و احتیاط کے ساتھ ستیون کے معاملات کی نگرانی کرتے ہین اور یہ دیکھتے ہین کہ
کونسی عورت اپنی خوشی سے ستی ہوتی ہے اور کون بجبر - جو عورت زبردستی جلائی جاتی
تھی اسکی ممانعت کیجاتی تھی - کوتوالون کو اختیار تھا کہ وہ کسی عورت کو اسکی مرضی کے
خلاف ہرگز جلنے نہ دین - سنہ ۱۵۸۳ء مین اکبر نے بہ نفس نفیس ستی کے ایک معاملے مین
مداخلت کی اور ایک والا نژاد راجپوت خاتون کی جان بچائی اور اسکے بیٹے اور
اعزہ کو قید مین رکھا جو اسے چتا پر چڑھنے کے لیے مجبور کر رہے تھے - لارڈ ولیم بنٹنگ
کی ہمت اور حوصلہ اور مردم ترسی اور ہندوستانی مصلح اعظم راجہ رام موہن رائے
اور دوارکا ناتھ ٹگور کی سرگرمی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ ستی کا معاملہ اب ایک تقویم
پارینہ ہو گیا ہے - اگر بنٹنگ کو یہ بات معلوم ہوتی کہ اکبر نے اس معاملے مین نہایت
دلسوزی کے ساتھ کسقدر کوشش بلیغ کی تھی تو اس سے اسکے ہاتھون کو بہت بڑی
قوت حاصل ہوتی - اور وہ کبھی اپنی عمدہ یادداشت مین یہ بات نہ لکھتا کہ تمام مسلمان
فاتحون نے اس دستور مین دست اندازی کرنے کی قطعی ممانعت کر دی ہے - اسموقع
پر یہ بیان دلچسپی سے خالی نہین ہے کہ رام موہن رائے نے جب ستی کے معاملے
مین گورنر جنرل سے مشورہ کیا تو درحقیقت انکو وہی طریقہ بتایا جو اکبر نے اس ظالمانہ
رسم کی بیخکنی کے لیے اختیار کیا تھا - لارڈ بنٹنگ اپنی یادداشت مین لکھتے ہین کہ میری

راے مین اس رسم کو یکقلم اُٹھا دینا چاہیے - اور اسمین مشکلات کے بڑھنے کا کوئی احتمال نہین ہے اور پولیس کی ایجنسی بلا واسطہ اس رسم کو دُور کر سکتی ہے -

اکبر نے ہندو بیوؤن کے عقد ثانی کی ترویج مین کچھ کم کوشش نہین کی سُنی اِس معاملے مین چند قواعد جاری کیے تھے اور ۱۵۹۰ء مین اسکو قانوناً جاری کیا - اس دستور العمل کا مضمون یہ ہے "اگر بیوہ دوبارہ شادی کرنا چاہے تو اسکو اسمین اختیار کلی ہے - ایک ہندو لڑکی جسکا شوہر رسم شادی کے ادا ہونے کے پہلے مرگیا ہو جلائی نہ جائے - لیکن اگر ہندو اسکو بُرا سمجھین اور اسکا انسداد نکرین تو اس حالت مین جس ہندو کی بی بی مرگئی ہو وہ اُس لڑکی کو لیجائے اور اپنے گھر مین اُسکے ساتھ شادی کرلے - مسلمان مورخون نے اگرچہ اکبر کے عجیب وغریب اصلاحات کے متعلق کوئی مزید توضیح و تشریح نہین کی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کی وفات کے بعد جو ۱۶۰۵ء مین واقع ہوئی تھی اصلاحات مین سکون اور رجعت قہقری پیدا ہوئی اور پھر ایک زمانۂ دراز تک اس معاملہ مین بالکل خاموشی رہی - اب اس زمانے مین لوگونکو پھر قومون کی باہمی آمیزش یا میل جول کا خیال پیدا ہوا ہے جسکی بنیاد شہنشاہ اکبر نے ڈالی تھی - مگر اسکی رفتار نہایت سُست ہے - بیوہ کی شادی کی تحریک بھی ایک طولانی خواب کے بعد پھر بیدار ہوئی ہے لیکن گورنمنٹ کی عدم مداخلت سے اُسمین بھی کوئی معتدبہ ترقی نہین ہو سکتی ہے - صغر سنی کی شادی کے انسداد کے بارے مین جو کوشش ہوئی تھی اُسمین ابتک کوئی کامیابی نہین ہوئی اور اسمین ہماری سوسائٹی بالکل ناقابل ہے اور ہندوستانی ریفارمر بھی کوئی چارہ جوئی نہین کر سکتے ہین - اور اسکی وجہ ظاہر یہی ہے کہ اکبر اعظم کیطرح تمدنی معاملات مین ہماری حکمران قوم کو کوئی دلچسپی نہین ہے - اکبر کے بعد ہندوستانیونکے بہت بڑے محسن لارڈ ولیم بنٹنگ تھے جنھون نے ستی ہونے کے ہیبت ناک دستور کو بند کیا وہ اپنی یادداشت مین لکھتے ہین کہ ہندوؤنکو اپنی اس مجرمانہ رسم کی غلطی معلوم ہوگئی ہے لیکن اس امر کی توقع نہین کیجا سکتی کہ جبتک وہ لوگ جو اپنی ترقی کی راہ مین حائل ہین مر نہ جائین - اُنکے قلوب اُن تخیلات سے آزاد ہون جنمین وہ جکڑے ہوے ہین اور جس سے وہ ابتک غیر ملک کے فاتحونکے غلام رہتے آئے ہین اُسوقت تک وہ بنی نوع انسان کے اعلیٰ خاندانون مین اول درجہ نہین حاصل کر سکتے -

جالپا پرشاد

اکبر اور موجودہ پالیٹکس

اکبر کو مرے ہوئے تین سو برس سال ہوگئے۔ تین سو برس کا زمانہ ایک قوم کی زندگی مین بہت بڑا زمانہ ہے۔ اتنا بڑا کہ اُسکے اندر ایسے حیرت انگیز تبدلات پیدا ہوسکتے ہین جو قوم اور ملک کی صورت بدل دینے والے ہین۔ ہندوستان مین یہ تین سو برس خانہ جنگی۔ غارتگری۔ قحط۔ مصائبِ افلاس کے ساتھ امن وامان۔ علمی اور اخلاقی ترقی اور حیرت انگیز تبدلات کے گزرے ہین۔ مین اُن لوگونکی راے سے اتفاق نہین کرتا جو دعوے کرتے ہین کہ ہندوستان ہر ایک پہلو سے ترقی معکوس کر رہا ہے۔ قومی زندگی کے بعض پہلو مین ہم نے ترقی کی ہے جنکا اعادہ کرنا یہان فضول ہے۔ مگر ایک بہت بڑے پہلو سے ہماری حالت مین بہت کچھ تغیر نہین نظر آتا جس کا اس جگہ تذکرہ منظور ہے۔ کیا باشندگان ملک کی پولیٹکل حالت مین خاطرخواہ ترقی ہوئی ہے؟ کیا اس وقت آبادیِ ہند کی پولیٹکل حالت اکبر کے زمانے سے بہتر ہے؟ یہ سوال ہین جنکا جواب مین چند صفحون مین دینا چاہتا ہون۔

ایک گھڑی کے لئے بھی امن وامان کی برکات۔ اُنکے نتائج۔ مستقل اور مضبوط گورنمنٹ کے فوائد سے کسی ہندوستانی کو انکار نہین ہوسکتا۔ باشندگان ہند نے جو کچھ علمی ترقی آج کی ہے۔ جو کچھ آزادی کی برکات سے اُنھون نے آج فوائد حاصل کئے ہین۔ اُنکا اکبر کے زمانے مین وجود نہین ہوسکتا تھا۔ یہ شہنشاہ اکبر اور اُسکے وُزرا کا قصور نہ تھا۔ زمانے نے اس قدر ترقی ہی نہین کی تھی ورنہ اکبر کا دل تو ایسا وسیع اور تعصب سے پاک تھا کہ کوئی برکت جو اُس وقت تک انسان کی طاقت مین تھی اور پھر وہ کون انسان جو شہنشاہ مملکت ہند کا مرتبہ وصولت رکھتا ہو باشندگان ہند پر نہ نازل کی گئی ہو۔ مگر اسپر بھی اکبر کے ہندوستان اور موجودہ ہندوستان مین جہان تک علمی وذہنی ترقی کا تعلق ہی بہت بڑا فرق ہے۔ اگر فرق نہین معلوم ہوتا تو مالی اور تمدنی حالتِ باشندگان ملک مین۔

جسوقت لارڈ کرزن صاحب کونسل چیمبر مین پر سال اہل ہند کو جتا رہے تھے کہ اُنکی
گورنمنٹ نے کس فیاضی کے ساتھ ہندوستانیون سے سرکاری ملازمت کے بارے مین برتاؤ
کیا اُس وقت اگر یہ ممکن ہوتا کہ شہنشاہ اکبر کی روح کونسل چیمبر مین موجود ہوتی تو اپنی گدی پر
عارضی جانشین سے کہتی کہ "یہ صحیح ہے کہ ہائیکورٹ مین ہندوستانیون کو چند ججیان دیگئین
یہ صحیح ہے کہ کلکٹریون اور کمشنریون پر چند ہندوستانی فائز ہوے - مگر برٹش گورنمنٹ باوجود اس
دعوے کے کہ وہ ہر ملت و مذہب کی رعایا کے ساتھ یکسان برتاؤ کرنا چاہتی ہے اُسکی نظر
مین رعایا کا مذہب - اُسکی اعلی سے اعلی منزلت تک ترقی کرنے مین حارج ہوگا اسوقت
تک اُس معیار تک نہین پہونچی جو میری گورنمنٹ نے قائم کیا تھا - مین نے صرف کلکٹریون
تک باشندگان ملک کے حوصلون کو محدود نہین کیا تھا کہ ہندو ناظم اضلاع کی تعداد مثل
آجکل کے کلکٹران ضلع کے اُنگلیون پر گنے نہین جاسکتے ہندوؤن کو گورنریان تک دین -
اور اُنکے دل سے یہ خیال بالکل مٹا دیا کہ وہ کسی غیر ملکی حکمران کی رعایا ہین" اگر آج چار یا پانچ
ہندوستانیون کو ہائیکورٹ کی ججی کا فخر حاصل ہے تو کتنے باشندگان ملک تین سو سال قبل
ایسے تھے جنکے سپرد بڑے بڑے علاقون کی حکومت اور اُنکے سامنے بلا کسی البرٹ بل کے
پیش کئے ہوئے تمام رعایا ہندو اور مسلمان سر جھکاتے تھے مسٹر گوکھلے کی قابلیت مسلمہ ہو اور
یہ قبول بھی کر لیا جائے کہ وہ وزیر مال کے عہدے پر اپنی قابلیت سے ممتاز ہو سکتے ہین - تاہم
مسٹر گوکھلے کے یہ خواب و خیال مین بھی نہین آسکتا کہ وہ راجہ ٹوڈر مل کی جگہ وزیر کی کرسی پر
متمکن ہو کر گورنمنٹ کو کسی طرح سے اپنی اعلیٰ قابلیت سے فائدہ پہونچا سکین گے -

فوجی ملازمت کے دروازے تو ہندوستانیون کے لیئے بالکل بند ہین - آج گورنمنٹ
کے ممبرونکو یہ کہنے مین تامل نہین ہے کہ ہم ہندوستان پر بزور شمشیر قبضہ کئے ہوئے
ہین - اور ہندوستان کی محافظت کیلیئے اُسکے باشندون پر بھروسہ نہین کر سکتے - ہندوستان پر
انگریزی حکومت قائم رکھنے کے لیے اسکی ضرورت ہے کہ کثیر فوج مختلف صوبجات مین قائم
رکھی جائے - اور مطلق خیال باشندگان ملک کے خیالات حوصلون اور جذبات کا نہ کیا جائے
اکبر کے قبل چار صدیون تک اسی اصول پر حکومت ہوتی رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ملک مین
بے اطمینانی اور بے دلی پیدا ہوئی - اکبر نے یہ پالیسی پلٹی - باشندگان ملک پر اعتبار کیا
ان سے تالیف قلوب کی اور اُن اختلافات کے مٹانے کی کوشش کی جو باشندگان ملک

اور حکمران مین موجود تھی۔ صرف سول ملازمت مین نہین بلکہ صیغۂ فوج مین بھی باشندگان ملک کو ایسے وسیع اختیارات دیے گئے جن سے یہ خیال قوی ہو گیا کہ حکومت قومی ہے۔ صحیح ہے کہ اکبر کی ذات کا اثر بہت کچھ تھا۔ مگر ذات سے بڑھکر اُن اصولون کا اثر تھا جن پر وہ حکومت کرتا تھا۔ اور یہ اصول سوا اسکے دوسرے نہ تھے کہ قانون کے سامنے سُنّی اور شیعہ۔ ہندو اور مسلمان مین مطلق فرق نہین ہے۔ اور یہ کہ مذہب کا اثر جج اور مجسٹریٹ کی راے پر نہ پڑے۔ یہ اصول صرف درج قانون نہ تھے بلکہ ان پر عملدرآمد ہوتا تھا۔

تین سو برس ہوئے جس ملک سے بھگوانداس۔ مان سنگھ۔ ٹوڈرمل اور بیربل ایسے ایسے غیر معمولی قابلیت کے لوگ پیدا کئے تھے جو صفحۂ تاریخ پر اپنا نام چھوڑ گئے ہین اُس ملک کی عورتین اب بانجھ نہین ہو گئی ہین کہ ایسی ہی سعادتمند اولاد نہ پیدا کر سکین۔ صرف فرق ہے تو یہ کہ ایک زمانے مین ایسا حکمران ان ایسے نورتنون کی قدر کرنیوالا موجود تھا۔ اب سلطنت کی جانب سے باشندگان ملک کی قدر نہین ہوتی کہ جس سے لوگون کا حوصلہ بڑھے اور وہ اپنے ملک کی خدمت مین نیکنامی حاصل کرین۔ اکبر نے وہ تمام اختلافات مٹا دیے جو ہر گھڑی یہ خیال پیدا کراتے تھے کہ ہندو ماتحت قوم ہے۔ اور اُن سے برتاؤ مین امتیاز کرنا چاہئیے۔

آیبر صاحب اپنی سیریز رولرز آف انڈیا مین واقعات اکبری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ ”اکبری نگاہ مین انسان کا ذاتی جوہر اُسکی قدردانی کا باعث تھا۔ خواہ لیاقت کا اظہار کسی ہندو شاہزادہ یا اُزبک مسلمان سے ہو۔ قومیت یا مذہب قابل آدمی کا نہ تو اسکے مانع ہوا کہ وہ اعلیٰ مرتبے پر پہونچے یا اعلیٰ اعزاز حاصل کرے۔ اسی وجہ سے بھگوانداس مان سنگھ۔ ٹودرمل اور دیگر راجگان ہند کو معلوم ہوا کہ اُن کو اس مسلمان حکمران کے زمانے مین بہت بڑے اور دُور تک اثر پہونچانے والے اختیارات حاصل تھے جو کسی آزاد حکمران یا اپنے بزرگون کی سلطنت مین اُنکو حاصل ہوتے۔ پورے صوبون پر وہ حکومت کرتے تھے اور فوج سلطانی کی کمان کرتے تھے۔ خفیہ سے خفیہ مجالس اور مشورون مین شریک ہوتے تھے۔ اصل غرض یہ تھی کہ پُرانے اختلافات اور تعصبات مٹین اور ملا اسکے کہ مقامی امرا کے اختیارات کم ہون جو لوگ سلطنت کی حفاظت مین شریک تھے چاہتے تھے کہ باہم ایک دوسرے کو ایک امپریل شہنشاہ کی ماتحتی مین لائین کہ بلا کسی کے

اعزاز و مراتب کی کمی کے وہ صوبجات جو ایک دوسرے سے منحرف اور غیر متفق تھے باہم ملجاتے۔ یہ شہادت ایک انگریز اہل الرائے کی ہے جس نے مسلمان مورخون کی تحریرات پر راے قلمبند کی ہے۔ اب اس حالت کا موازنہ موجودہ زمانے کے پالٹیکس سے کیا جائے۔ لارڈ کچنر کی مدد پر ایک بھی ہندوستانی سپاہی نہین ہے صوبہ دار میجر سے زیادہ مرتبہ کسی ہندوستانی سپاہی کو نہین مل سکتا۔ کسی ڈویزن فوج کی کمان تو دور رہی اب جدید قواعد کی روسے کمپنی کی کمان بھی ہندوستانی صوبہ دار نہین کرسکتا۔ لارڈ کچنر نے ہندوستان کے فوجی انتظام کا تختہ پلٹ دیا نوبت یہانتک پہونچی کہ لارڈ کرزن نے استعفیٰ دیدیا۔ مگر کیا ایک بھی ہندوستانی تمام ملک مین اس قابل سمجھا گیا کہ اُس سے اس فوجی تغیر و تبدل مین مشورہ لیا جاتا۔ شہنشاہی فوج کی کمان تو دور رہی اول اطلاع فوجی تغیرات کی ہندوستانی والیان ملک اور عوام کو اُس وقت ملی جب معاملات تکمیل کو پہونچگئے۔ اور ہندوستانیون کو تو اسکا بھی موقع نہین ملا کہ انکی پہلو پر بحث کرسکین کہ ان تغیرات کا محاصلات ملک پر کیا اثر ہوگا۔ آج برٹش رجمنٹون مین چند والیان ملک کو اعزازی عہدے میجرون اور جنرلون کے حاصل ہین۔ مگر نہ تو یہ مثل راجہ مان سنگھ کے اڑیسہ کا صوبہ فتح کرکے برٹش عملداری مین داخل کرسکتے ہین نہ کسی کو راجہ ٹوڈرمل کا سا اختیار رہے کہ خود شہنشاہ کے ہم مذہبون کو کابل مین جاکر تلوار کے زور سے مطیع کرے اور اپنی گورنری کا سکّہ کابل ایسے سرکش ملک مین جمائے۔ لارڈ کرزن نے جسوقت کیڈٹ کور کا سلسلہ قائم کیا تو امید پیدا ہوئی تھی کہ کیا عجب ہے کہ مان سنگھ۔ بھگوانداس۔ اور ٹوڈرمل کی اولاد کو اسکا موقع ملے کہ انگریزی افسرون کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوکر ہندوستان کے غنیم سے مقابلہ کرین۔ مگر تمام اُمیدین یہ سُنکر خاک مین مل گئین کہ والیان ملک کی اولاد اور اعزا صرف آڈرلی افسران کا کام انجام دینگے۔ اور اُن کو کوئی موقع جنگ مین شرکت یا کسی رجمنٹ کی کمان کا نہین دیا جائیگا۔ جس ملک نے اکبر کے سے شہنشاہ دیکھے ہین جنکی نظر مین اُزبک۔ افغان۔ ہندو اور پارسی یکسان مرتبہ رکھتے تھے اُسکے باشندون کے دلمین آج کیون نہ چوٹ لگے۔ جب وہ دیکھتے ہین کہ انتظام ملکی اور فوجی مین وہ ہر طرح حصہ لینے سے محروم کئے گئے ہین۔

سول صیغہ کی حالت بھی کچھ کم بدتر نہین ہے۔ باشندگان ملک کو مطلق حکومت ملک مین حصہ نہین دیا گیا ہے۔ مینوسپل کمیٹی کی ممبری یا کونسل کی ممبری ملکی انتظام مین حصہ نہین

قرار پا سکتی ہین - ہندوستانی ۵۰ سال سے کوشش کر رہے ہین کہ ملک کی انتظامی کونسل مین اُنکو جگہ دیجائے - مگر ٹوڈر مل کو تین سو برس قبل شہنشاہ اکبر کو مشورہ دینے کا فخر حاصل تھا آج تیس کرور رعایا مین ایک کو بھی گورنر جنرل ہند یا گورنران بمبئی اور مدراس کی کونسل مین بیٹھنے کا فخر نہین حاصل ہے - ہم نے کوشش کی سکرٹیری آف اسٹیٹ کی کونسل مین جہان ہندوستان سے واپس شدہ انگریز تاجرون تک کو نشست کا موقع دیا جاتا ہے کسی ہندوستانی عہدہ دار سرکاری کو جگہ دیجائے - ہماری اس درخواست کی شنوائی نہین ہوئی - لارڈ لٹن نے کسی مصلحت سے دربار قیصری کے موقع پر والیان ملک کی کونسل امپائر آف انڈیا قائم کی تھی - والیان ملک اور رعایا کی خواہش تھی کہ اس کونسل کا کبھی تو جلسہ ہوا کرے اور ممبران سے امور سلطنت مین مشورہ لیا جائے - مگر چہارم صدی سے زیادہ گذر گئی اور کونسل ہند کا کوئی جلسہ ہنوز منعقد نہین ہوا - اور نہ شاید کسی زمانے مین منعقد ہوگا - کونسل امپائر آف انڈیا جب قائم ہوئی تھی اُسوقت تو اتنا خیال تھا کہ شاید کبھی کبھی اُسکا سالانہ جلسہ منعقد ہو - مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ قیاس غلط تھا -

تالیف قلوب کی پالیسی کسی ظاہری نمائش سے اکبر نے قائم نہین کی تھی - بلکہ ملکی مصلحت کی مضبوط بنا پر اکبر نے کرورہا روپیہ سالانہ آمدنی کی پروانہ کی اور یہ دیکھکر کہ ہندو جاتری مذہبی مقامات تک جانے کے بہت شائق ہین خوشی سے جاتریون کا ٹیکس موقوف کر دیا - آج ہندو اور مسلمان دونون عرض و معروض کر رہے ہین کہ آبکاری کے ذریعے سے محاصلات ملک بڑھانا گنہگاری کے ذریعے سے آمدنی حاصل کرنا ہے - دونون غل مچا رہے ہین کہ آبکاری کی پالیسی ہماری ذلت کا باعث ہے - مگر افسوس کہ اکبر کے جانشین اس بارے مین اکبر کی سی فراغ دل پالیسی کے پیرو بننا نہین چاہتے -

اکبر کی پالیسی کا اُس زمانے کے پالٹکس پر بہت معقول اثر ہوا - اور وہ سلطنت کی ایسی مضبوط بنیاد قائم کر گیا کہ وہ اورنگ زیب کی پولیٹیکل غلطیون کی زد کو بھی برداشت کر گئی اور باوجود اُن تمام نقائص کے جو خانہ جنگیون اور امن و امان کی کمی اور غیر مستقل حکومت کی وجہ سے پیدا ہوتی تھین ہندوستان اخلاقی اور مالی طور پر مرفع الحال و فارغ تھا - رعایاء ہند کا ایک معتدبہ حصہ ضرور گورنر جنرلان ہند مین رحمدل اور جوش انتقام سے مبرا لارڈ کیننگ یا نیک نفس اور نیک طینت لارڈ رپن کا نام شکرگزاری و احسان مندی سے

لیتا ہے مگر اسکی تعداد زیادہ تر تعلیم یافتہ فرقہ تک محدود ہے۔آج اکبر کو مرے ہوئے تین سو
برس گزر گئے۔مگر اُس کی اُنچاس سالہ حکومت کی ہر گانون اور قصبے مین یاد تازہ ہی اور
جب کبھی اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ کسی حکمران کے سامنے کوئی اعلےٰ معیار پیش کیا جائے
جب اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ تعصب مین اندھے مختلف اقوام کے لڑنے والون کے
جذبات دبائے جائین تو اکبر ہی کا نام زبان پر آتا ہے۔اور حکام وقت کے سامنے پیش
کیا جاتا ہے کہ وہ اس ایشیائی حکمران کی پالیسی کی پیروی کرین۔اگر وہ چاہتے ہین کہ ایشیائی
اقوام پر دھمکا کر اور ڈرا کر خوف زدہ رکھکر حکومت نہ کرین بلکہ اُن کے دلون کو مسخر کر کے
اپنی حکومت کی بنیاد بجائے بے اطمینانی و بددلی کی باتون کی بنیاد پر قائم کرنے کے رعایا کی
قناعت اور اطمینان کی مستحکم بنیاد پر قائم کرین

گنگا پرساد

خیالات اکبر

(۱) فیض ایزدی سے کوئی پیشہ ور اپنے کام مین نامور ہو تو اُسکی بزرگ داشت خدا کی
عبادت ہے۔

(۲) مردم شناسی کا کام نہایت مشکل ہے۔ہر شخص اسے نہین کر سکتا۔اگرچہ تصنع کی شناخت
بہت دشوار ہے لیکن گفتگو کی آزمایش سے وہ معلوم ہو سکتی ہے۔

(۳) زنِ خوردہ کے ساتھ نزدیکی کرنا خدا کو اپنے سے ناراض کرنا ہی۔اور اسیطرح اُس ٹرھیا سے
بیاہ کرنا جسمین اولاد جننے کی قابلیت نہ رہی ہو یا دہ سالہ سے بڑھ گئی ہو۔

(۴) ایک عورت سے زیادہ جستجو کرنا اپنے خون مین تگاپو کرنا ہی۔

(۵) اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ رعیت فرزندی کا درجہ رکھتی ہی تو کسی عورت کو اپنی حرم سرا مین داخل نکرتا

(۶) پہلے بزرگ کہتے چلے آئے ہین کہ سب سے زیادہ بلائین پیمبرون پر نازل ہوئی ہین اور
اسکے بعد اولیاؤن اور نیکیون پر۔مین اسکو یقین نہین کرتا۔جو درگاہ الٰہی کے شائستہ ہین بھلا
ایسے شکنجے مین کیونکر کھنچ سکتے ہین۔

اکبر اعظم

اور

ہندوستان کی موجودہ حالت

اس بات سے بہت کم لوگ واقف ہین کہ دُنیا مین بڑے آدمی کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ اُسکی اصلی قدر اور وقعت اُسکے مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ زندگی مین بہت کم لوگ اُسکے مقصد کو سمجھتے ہین۔ بلکہ جسقدر اصلی عظمت انسان مین ہوتی ہے اُسی قدر زیادہ مُدت گزرنے کے بعد لوگ اُسکے منشائے خیال یا آئیڈیل کی قدر کرتے ہین اُصول کی رُو سے مذہبی پیشواؤن پر ایک دلچسپ نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ مگر اُنکو چھوڑکر پالٹکس کے مذہب کا ایک رہنما اکبر بھی تھا۔ اسواسطے ہم دیکھتے ہین کہ اب ایک عرصے کے بعد اُسکی کسی قدر عظمت ہونے لگی ہے۔

بڑی چیز جسنے اکبر کے نام کو تاریخ مین مثل ایک ستون بلند کے جما دیا ہے وہ اُسکی فتوحات نہین۔ اگرچہ اُسکی شجاعت اور فتوحات کسی طور پر (دُنیا کے چار پانچ فاتحون کے سوا) کسی فاتح بادشاہ سے کم نہین۔ جو سخت مشکلات اُسکو پیش آئین مورخ اُنکو جانتا ہے۔ بغاوتون کا فرو کرنا۔ دلّی۔ بنگالہ۔ اُڑیسہ۔ گجرات۔ دکن۔ راجپوتانہ پنجاب۔ افغانستان کو زبردست اور شورہ پشت دشمنون سے لینا۔ سختی اور نرمی کو بطور ایک دانا مدبر کے ملانا۔ تاج بخشی کو تاج ستانی پر ہمیشہ ترجیح دینا۔ مغلوب کے ساتھ بمراعات پیش آنا۔ علاوہ اِسکے انتظام ملک اور امن کے قوانین و آئین۔ علوم کے پھیلانے۔ زمین اور خراج کے انتظامات مین اُسکا عہد بڑے سے بڑے فاتحون اور مدبرون سے بآسانی مقابلہ کرسکتا ہے۔ مگر اب کہ اُسکی فتوحات صرف

تاریخ کے صفحون پر قصۂ امیر حمزہ کے مانند ایک داستان ہوکر رہگئی ہین - مگر ایسی داستان جسکو عوام نہین پڑھتے - اب کہ اُسکے فتوحات میدان امن و انتظام ملک مین صرف ہنٹر و الیٹ یا آزاد کی تاریخ یا ابو الفضل کے گزیٹیر اور مجموعۂ کوڈ (آئین اکبری) مین مقفل ہین یا اُنکی نیکنامی کی مدعی ایک ایسی قوم ہے جسنے ڈھائی سو برس کے اندر پانچہزار کوس سے آکر بساطی کے درجے سے شاہنشاہی کا درجہ حاصل کیا ہے - ان جنگی یا انتظامی فتوحات کا تذکرہ ایک مورخ کے لیے باعث فخر و انبساط ہو - مگر ایک مُدبّر اور عملی شخص کہے گا "مجھے کیا!"

میرا قصد بھی اِسوقت یہی ہے کہ عمل اور تدبیر کی نظر سے اکبر کی زندگی پر نظر ڈالون - ایک امر مین اکبر دُنیا کی تاریخ مین تقریباً بینظیر ہے اور اُسکی نظیر حال مین مکاڈو جاپان سے مِلسکتی ہے - کوئی مطلق العنان بادشاہ اِس بات کو پسند نہین کرسکتا کہ اپنی اور اپنی قوم کی طاقت کو بلا وجہ کم کرے اور غیرون کو اُسمین شریک کرے برخلاف اِسکے اکبر نے نہ صرف رعایا و مفتوحین یعنے ہندؤن کے لیے اعلےٰ سے اعلےٰ عہدے کھولدیے بلکہ عملاً اپنی کیبنٹ مین نصف ممبر ایسے مقرر کیے جو ملک کے باشندے تھے جیسے (۱) بھگوان داس (۲) ٹوڈرمل (۳) مان سنگھ - اور باقی نصف شخص بھی مثل فیضی و ابو الفضل اور حکیم ہمام کے وہ تھے جنکو ہندؤن سے خاص طور پر ہمدردی تھی - یہ طریقہ پوری طور پر اورنگزیب کے اول پچیس ۲۵ سال عہد حکومت تک قائم رہا اور ناقص طور پر اتبک بھی جہان مسلمانون اور ہندؤن کی حکومت ہے اکثر جگہہ قائم ہے - اور باوجودیکہ مذہب مین وہ بے تعصبی نہین مگر پالٹکس مین اکبر کے مقلد ہین - جیساکہ برٹش گورنمنٹ پالٹکس مین نہین مگر مذہبی بے تعصبی مین اکبر کے قدم بقدم ہے -

مفتوحین کی دماغی قابلیت سے پورا فائدہ اُٹھانا اور سوائے تخت شاہی کے جو ایک خاندان مین موروثی تھا باقی مدارج دُنیاوی ترقی کے سب رعایا کے لیے کھولدینا ایک اعلےٰ درجے کا حق رعایا کو عطا کرنا تھا اور اتبک کسی بیرونی گورنمنٹ نے دُنیا کی تاریخ مین ایسا نہین کیا - یورپ کی نمائشی تہذیب کا ایک اصول جونکہ سکھاتا ہے کہ "شیرین باتین کرو کام کیسے ہی تلخ ہون" اِسواسطے بہت سے مدبرین یورپ

اکبر سے زیادہ فیاضی و رعایت کا دعویٰ کرتے ہین مگر ایسے دعوؤن سے کیا فائدہ سُننے والے جن پر ذرا بھی یقین نہ کرین۔

مذہب کے معاملہ مین قانونی۔ تمدنی۔ شرعی ہر قسم کی آزادی اکبر نے اُسوقت مین دی تھی جبکہ تمام دُنیا مین اختلاف عقائد کی وجہ سے علانیہ عذاب دیا جاتا تھا۔ انگلستان مین کیتھولک کو ایذائے جسمانی اور قید با مشقت کی سزا ملتی تھی اگر وہ کہین عبادت کرتے پکڑے جائین۔ اسپین اور فرانس مین پراٹسٹنٹ جلائے اور قتل کیے جاتے تھے۔ ایران مین سُنّی اور روم مین شیعہ عنقا ہو گئے تھے۔ مگر ہندوستان مین ہندو اور مسلمان۔ سُنّی اور شیعہ۔ پارسی اور ویدانتی۔ عیسائی اور لامذہب بلا تامل اپنے عقائد و عبادات کا اظہار کرتے تھے۔ بلکہ خود بادشاہ کے سامنے مباحثے ہوتے تھے اور بادشاہ میر مجلس بنکر خوشی اور لطف کے ساتھ عقلی اور دینی نکتہ سنجیان سُنتا اور اُسمین دخل دیتا تھا۔ اس معاملے مین ابوالفضل اور فیضی کے نام کو فراموش کرنا بے انصافی ہوگی۔ بہرحال اکبر نے جو بے تعصبی مذہبی کا اصول قائم کیا ہوا اُسکی پوری تعمیل اسوقت قوم برطانیہ ہندوستان مین کرتی ہے۔ اکبر کے زمانے مین متعصب لوگ حکمران فرقہ کے ضرور ناراض ہوتے ہونگے کہ بادشاہ (خلیفۃ اللہ) نے کیسی آزادی باطل مذاہب کو دے رکھی ہے۔ لیکن اب کہ تاریخ کا چرخ اسلامی نقطہ سے پھر کر ہندوستان مین مسیحی نقطہ پر آکر ٹھہر گیا ہے۔ ہمکو پورا یقین ہے کہ مُلّا عبدالقادر بدایونی کی اولاد اور ہم مشرب اسپات کو ہرگز پسند نہ کرینگے کہ لارڈ کرزن اور لارڈ کچنر باہم مشورہ کرکے اکبر کی مذہبی غیر مداخلت کی پالیسی کو مسٹر براڈرک کی منظوری سے منسوخ کرالین۔ ع

قدر بابا آن زمان دانی کہ خود بابا شوی

بہرحال انصاف اور راست گوئی ہمکو مجبور کرتی ہے کہ جہان اس پالیسی مین پیش روی کا فخر اکبر کو دین وہان مستقل پیروی کی فضیلت کا تاج ساکنان برطانیہ کے سر پر رکھین۔

مین نے اوپر بیان کیا تھا کہ اکبر نے پولیٹکل قوت اور عہدون کی تقسیم مین قریباً عدیم النظیر بے تعصبی سے کام لیا ہے لیکن اب دُنیا مین خاصکر

مذہبی بے تعصبی

[illegible]

ہندوستان مین ویسی مساوات نہین پائی جاتی - اکبر نے یہ پالٹیکل قوت غیر قوم ہندؤنکو اُسوقت دی تھی جبکہ وہ تمام ملک پر تسلط قائم کرچکا تھا اور مسلمانون کی قوت نہایت زبردست تھی - کیونکہ ۱۸۵۸ء کے بعد سے اِمپیریلزم کا عملدرآمد ہوا ہے - اُسوقت تمام ہندوستان اُسکے ماتحت ہوچکا تھا - اور کوئی باغی یا مدمقابل باقی نہ رہا تھا -

برٹش پارلیمنٹ پر بھی ایک زمانہ اصلاح اور انسانی ہمدردی کا گذشتہ صدی مین گذرا تھا - انڈیا ایکٹ ۱۸۳۳ء نے قرار دیا کہ عہدے ہندوستانیون اور انگریزون کو مساوی بے تعصبی سے دیے جائین - مگر اسکی تعمیل ایسی کم ہوئی جو نہونے کے برابر ہے - ایکٹ ۱۸۵۳ء مین بھی اِسکی تجدید ہوئی اور اعلان ۱۸۵۸ء مین بھی لیکن جس نسبت سے تسلط بڑھتا گیا اور ہندوستانیون کا زور گھٹتا گیا اُسی نسبت سے اِس اکبری پالیسی سے علانیہ انکار کیا جانے لگا - میرے نزدیک پالٹکس کی موجودہ حالت مین ہندوستانیون کی کوشش تقریباً بے سود ہے ایک رَو تسلط تامّہ اور مفاخرت قومی کی جسکا نام امپیریلزم ہے انگلستان پر گزر رہی ہے - اِسکے زور مین توکسی کے کان مین اُنکی آواز بھی نہین جاسکتی - اور یہ آندھی فرو ہوجائے تب بھی جبتک ہندو مسلمانون مین اتفاق نہ ہوجائے اُسوقت تک اکبری زمانہ کے حقوق کا ملنا بالکل ناممکن ہے - نہ گورنمنٹ اُنکی آواز کی وقعت کریگی اور نہ اُنمین ایسی بے تعصبی متانت اور خود ضبطی ہوگی کہ وہ حکومت کے عہدون کا استعمال صحیح طور پر کرسکین -

اب ہم خودبخود اکبر کی اُس تیسری پالیسی پر پہونچ گئے ہین جسکے لیے اُسنے کوشش کی مگر ناکامیاب ہوا - وہ پالیسی یہ تھی کہ ہندوستانیون کو ایک قوم بنادیا جائے - ہندؤن کی نفرت باہر والون سے دور کردیجائے - باہر والونکے خیالات کو غیر ملکون سے ہٹاکر ہندوستان مین محدود کردیا جائے - دونون قومین ایک دوسرے کی عمدہ عادات کو حاصل کرین اور ایک دوسرے کے فلسفہ اور لٹریچر سے مستفید ہوکر ایک دوسرے کی عزت کرین - اکبر کو اِس پالیسی مین ناکامیابی ہوئی - انسان کی عمر اور طاقت اور اثر ڈالنے کی قوت محدود ہوتی ہے اکبر کی عمر بھی محدود تھی اور اُس مین یہ طاقت نہ تھی کہ مسلمانون اور ہندؤن کے ہزارہا سال کے خیالات کو یہ لدے دربار کے دوچار سوار اکین - اور امیدوار ملازمت ہان مین ہان ملانے والے تھے -

ہندوستان کی ایک قومیت

نگر دل سے سوائے فیضی و ابوالفضل کے کوئی اُسکا ہمدرد نہ تھا۔ مگر جس شخص کو ذرا بھی مس پالیٹیکل تاریخ اور انسانی تمدن کے حالات سے ہے اُسکو ماننا پڑیگا کہ اکبر کا خیال بالکل درست تھا جب تک ہندوستان ایک قوم نہ ہوجائے اُسکی دُنیاوی نجات ممکن نہین۔

سوال یہ ہے کہ آیا اکبر کا اتحادِ قومی کا خواب پورا ہوگا یا نہین۔ موجودہ حالت کو دیکھکر ایک بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے اور ایک غیر یقینی طور پر۔ یقینی بات یہ ہے کہ جب تک ہندوستان مین اختلاف مذہب زور شور سے قائم ہے اُسوقت تک اکبر کا خیال پورا نہین ہوسکتا۔ اُسنے بھی کوشش کی تھی کہ ایک نیچرل مذہب دونون کو ملادے مگر اُسکا مذہب گو معقول پسند ہو مگر صرف پالیٹکل اور مصلحتی مذہب تھا۔ اسوجہ سے روحانیت سے۔ اور جوش سے خالی تھا۔ لہٰذا وہ مردہ ہی پیدا ہوا۔ جب وہ مذہب دفن ہوگیا تو کسی ہندو یا مسلم نے اُسکی قبر پر دو آنسو بھی نہ بہائے۔ نہ کوئی پھول چڑھایا۔ مگر ایسی بڑی غلطی مین بھی ہم اِس ناتعلیم یافتہ اور خود رائے مغل کی عالی دماغی کا جلوہ دیکھ سکتے ہین کہ اُسنے ہندوستان کی اصل بیماری یعنے نااتفاقی کو پالیا اور اُسکی اصلاح کے درپے ہوا۔ کوشش اُسکی اسطرح پر تھی۔

(۱) مذہبی تعصب سلطنت کی طرف سے بالکل موقوف کیا جائے۔

(۲) پالیٹکل (یعنے ملکی قوت و اقتدار مین) سب فرقون مین مساوات ہو۔

(۳) اتحاد مذہب قائم کیا جائے۔

پہلی حالت اب بھی موجود ہے۔ دوسری حالت موجود نہین۔ اور میری رای مین بغیر تیسری شرط کے ہو نہین سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اتحاد مذہب ہندوستان مین ممکن ہے؟

اتحاد مذہب کا ایک ذریعہ تو وہ ہے جو اکثر "تعلیم یافتہ روشن خیال" نوجوان سمجھتے ہین کہ سب ہندوستانی دل مین لامذہب ہوجائین۔ مگر اِس حالت کے خطرے موجودہ خرابیون سے کہین زیادہ خوفناک ہین۔ کوئی جماعت جو سراسر لامذہب ہو تمدن کو قائم نہین رکھ سکتی۔ اور نہ ہمکو یقین ہے کہ ہندوستانی سوائے ایک فیصد بلکہ ایک فی ہزار کے مذہبی انکار و اتحاد کی برکت کو حاصل کرسکتے ہین

ہمنے یہ بھی اکثر دیکھا ہے کہ جو لوگ مذہبی تعصب سے جُدا ہین حتیٰ کہ خدا کے بھی قائل نہین قومی تعصب مین وہ سب سے آگے چلتے ہین۔

دوسرا ذریعہ اتحاد کا یہ ہے کہ سب مسیحی ہوجائین۔ مسیحی مشنون نے بے انتہا کوشش اور روپیہ خرچ کیا ہے اور غربا اور جہلا پر جدا۔ اور تعلیم یافتہ گروہ پر جدا مغربی تہذیب کی چکاچوندھ سے اثر ڈالا ہے مگر وہ ہندوستانیون کے دل و دماغ پر کوئی پائدار اثر نہ ڈال سکے۔ جو دیسی لوگ عیسائی ہوتے ہین وہ فوراً اپنی قوم سے جدا ہوکر نیم فرنگی ہوجاتے ہین اور اعلے اخلاق کا نمونہ قائم نہین کرتے۔ جو پردیسی عیسائی ہین وہ بھی مساوات اور برادری کا سبق جو مسیح نے سکھایا تھا اُسکی تعمیل اِس طور پر کرتے ہین کہ اگر مسیح پھر آئین تو انکی نسبت اپنے زمانے کے یہود سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کرین۔

تیسرا ذریعہ اتحاد کا آریہ سماج مشن ہے۔ اِسنے ہندؤن کی زبردست قوت مدافعت کے باوجود بہت خاصی ترقی کی ہے۔ مگر (باوجود اُس وقعت کے جو اِسکے بانیون اور سرگرم ممبرون کی میرے دل مین ہے اس بات کا ظاہر کرنا ضرور ہے) یہ جماعت بھی پانچ چھ کرور مسلمانون کو تو کجا سناتن دھرمیون کے مذہبی اور تارک الدنیا فریق کو بھی اپنے مین جذب نہ کرسکے گی۔ اگر اِسنے سب ہنود کو جذب بھی کرلیا تب اور بھی زیادہ نااتفاقی ہندوستانیون مین پیدا ہوجائیگی کیونکہ مسلمان موجود ہین اور وہ کسی طرح اپنے مذہب سے کنارہ کشی پسند نہ کرینگے۔ اگرچہ دو چار مثالین ایسی ہوئی ہین کہ بعض مسلمانون نے آریہ سماجی وضع اختیار کرلی ہے۔ لیکن سمجھدار لوگ جانتے ہین کہ ایسی ایسی مستثنیات ہی قاعدہ کلیہ کو ثابت کرتی ہین۔

آریہ سماجی فرقہ کی ناکامیابی کا راز وہی ہے جو دین الٰہی اکبرشاہی کا تھا۔ دونون فرقے پولٹیکل تھے۔ روحانیت مذہبی دونون مین نہین۔ البتہ اکبر کے فرقے کی بنیاد بے تعصبی پر تھی اور مثل برہم سماج کے جملہ مذاہب کی پسندیدہ باتون کو جمع کرنا مقصود تھا۔ اور آریہ سماج کی بنا تعصب پر ہے۔ البتہ اُسمین جوش جو کامیابی کا پیش خیمہ ہے بہت ہے مگر وہ جوش خشک ہے۔ اسلیے ممکن ہے کہ معکوس اثر کرے۔

سناتن دھرم مین قوت مدافعت جسکا تجربہ پچھلے دو ہزار برس سے ہوا ہے اور قوت جذب بھی بہت ہے۔ مگر اسکے اندر جوش نہین اور نہ خواہش ہے کہ اور

قومون کو جذب کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ عالم مین بقاے قوم ہندوستان کا کام جو اُسے کرنا تھا وہ کر چکا۔ اب نئی قوتین اُسپر عمل کرینگی۔

اب رہے مسلمان۔ یہ ایک نازک بحث ہے۔ میرے خیال مین مسلمانون مین جوش بھی ہے اور روحانیت بھی اور قوت مدافعت بھی۔ مگر عملی جوش جن لوگون مین ہو اُنمین روحانیت نہین۔ اور جنمین روحانیت ہے اُنمین عملی جوش نہین۔ اِسلیے ابھی مسلمانون مین اگرچہ اپنی تعداد کو بڑھانے کی قابلیت بہت ہے۔ لیکن تمام ہندوستانیون کو مسلمان کرنے کی لیاقت نہین۔ البتہ میرا یقین ہے کہ جب مسلمانون مین ایک بڑا گروہ ایسا پیدا ہو جائیگا جسمین جوش اور روحانیت دونون ہونگی تو اُسکے مقابلے مین قائم رہنا مشکل ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ وہ ہندوستان کو متحد کر سکے۔ مگر وہ گروہ پیدا ہوگا یا نہین اور کسطرح سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اس بحث کی یہان گنجائش نہین۔

برہم سماج کے فرقے مین بے تعصبی ضرور ہے مگر جوش اور قوت مدافعت نہین اِسلیے وہ بھی معیار مین پورا نہین اُترتا۔

مگر خود مسلمانون مین بھی ایک فرقہ نہین۔ اِنمین بھی سخت خانہ جنگیان۔ سُنّی و شیعہ۔ نیچری و غیر نیچری مین ہین۔ مگر کیا باوجود اِن خانہ جنگیون کے اِن مین یہ قابلیت بھی ہے کہ غیر فرقون کے مقابلے مین اپنا اختلاف بھول جائین؟ اگر یہ قابلیت ہے تب وہ ہندوستان کو ایک قوم بنا سکین گے ورنہ اُنکو اپنے جھگڑون سے ابھی کئی سو برس تک فرصت نہوگی۔ میرا خیال یہ ہے کہ مسلمانون مین عنقریب اندرونی مناظرے زور شور سے شروع ہونے والے ہین۔

شاید ناظرین یہ نتیجہ نکالین کہ مین نے اس مضمون کو لکھکر یہ ثابت کرنا چاہا ہو کہ ہندوستان کی پولیٹکل ترقی اور اکبر کے خواب کا پورا ہونا محال ہے مگر میرا یہ منشا نہین۔ مذہبی اتحاد بیشک ضروری ہے۔ لیکن جبتک وہ حاصل ہو اور وہ حاصل ہو یا نہ ہو ہم اکبر کی کوشش سے ایک اور سبق سیکھ سکتے ہین اور اُس سبق پر عمل کرنے سے ایک حد تک اپنے آپکو قوی اور باعزت بنا سکتے ہین۔ اور باہم اتحاد پیدا کر سکتے ہین۔ ایک یہ کہ ہر قوم دوسرے کا لٹریچر اور فلسفہ بخوشی اور بہ ادب مطالعہ کرے۔ دوسرے اکبر اعظم نے ستی۔ بیواؤن کو بٹھا رکھنے وغیرہ کے خلاف جو کوشش ڈٹ کر کی

کی تھی اُنکی تکمیل تو برٹش گورنمنٹ کر چکی۔ لیکن ابھی ہندو اور مسلمانون کے سامنے ایک اور چوڑا میدان علاوہ پالیٹکس اور مذہب کے بھی باقی ہے پہلے اُسپر قبضہ کر لینا لازم ہو جب آگے بڑھنا ممکن ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو بد عادات سستی۔ اسراف۔ مقدمہ بازی۔ باہمی کینہ۔ گداگری۔ جہالت۔ جو ملک مین عام ہین اُنکو سب ملکر کم کرین اور مذہب اور قوم کے اتحاد کو آئندہ پر یا (اگر خدا پر اُنکو یقین ہے تو) خدا پر چھوڑ دین۔ جب تک ہم قابل مستقل مزاج۔ ہمدرد۔ تربیت یافتہ نہ بنین۔ نہ بیرونی گورنمنٹ ہمکو حقوق دیگی اور نہ ٹرکی اور جاپان سے ہم کو کچھ فائدہ حاصل ہوگا۔

پس اکبر کی زندگی سے موجودہ پالیٹکس مین یہ سبق ہندوستانیون کو لینا چاہیے کہ جب تک رعایا روشن خیال نہ ہو ایک بادشاہ کو بھی آپکی اصلاح مین کامیابی نہین ہو سکتی۔ اور یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ ہندوستان کے اتفاق اور اتحاد اور پولیٹکل ترقی کا خواب کوئی جدید فسانہ نہین۔ اکبر اور اُس سے دو ہزار برس قبل اشوک نے بھی یہ کوشش کی تھی۔ بڑے اور نیک آدمی جو کام کرتے ہین کبھی اُنکو ناکامیابی نہین ہوتی۔ آج بظاہر اُنکو شکست ہو مگر ہزارون برس کے بعد فتح ہوتی ہے۔ ہر اچھا خیال خدا کی طرف سے ہے۔ اُسکے پورا کرنے کی کوشش جاری رہے تو کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی طرح سے اور کسی نہ کسی صورت مین وہ ضرور پورا ہوگا۔ مین اس مضمون کو اُس عبادت پر ختم کرتا ہون جو اکبر نے جملہ مذاہب کے لیے معبد تعمیر کر کے کشمیر مین کندہ کرائی تھی۔

الٰہی بہ ہر خانہ کہ می نگرم جویاے تو اند۔ و ہر زبان کہ می شنوم گویاے تو۔

کفر و اسلام در رہش پویان وحدہٗ لاشریک لہ گویان

اگر مسجد ست بیاد تو نعرۂ قدوس می زنند و اگر کلیسا ست بشوق تو ناقوس می جنبانند۔

ای تیر غمت را دل عشاق نشانہ خلقے بتو مشغول و تو غائب ز میانہ

گہ معتکف دیرم و گہ ساکن مسجد یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بہ خانہ

اگر خاصان ترا بکفر و اسلام کارے نیست۔ این ہر دو را در پردۂ اسلام تو پاے نہ

کفر کافر را و دین دیندار را ذرۂ دردِ دل عطار را

ایسے وسیع مشرب شخص نے ایک کوشش کی اور جزوی ترک پائی۔ یہ ضرور نہین کہ کبھی اسمین کامیابی نہو۔ فقط

غلام الثقلین

شہر سری نگر کے شمال کیطرف قریب ایک میل کے فاصلے پر وہ پہاڑی جسپر یہ قلعہ ہے واقع ہے۔ اسکا مشہور نام ہری پربت ہے۔ اور فارسی مین کوہ ماران کہتے ہین۔ ہری پربت تو اِس وجہ سے کہ دیبی ہری کا مندر اسکے مغربی پہلو پر واقع ہے جو اہل ہنود کے لیے مرجع خاص و عام ہے۔ کوہ ماران کی وجہ تسمیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب قوم آریہ ابتدا مین پشاور اور پنجاب کی راہون سے اُمنڈتی ہوئی اِس وادی مینو سواد مین جسکو اب کشمیر کہتے ہین پہونچی اور اُسکو اُس بہشت کا ایک حصہ سمجھکر جسکی تلاش مین کوہ ہمالہ کی برفانی چوٹیونکو پے سپر کرتے تھے اور اُنہین دیکھ رہجانا نجات اُخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ بود و باش اختیار کی تو یہان بھی اُنکو اُنھین مشکلات کا سامنا ہوا جو اور مقامات مین پیش آئی تھین۔ اِنمین سے ایک یہ تھی کہ کشمیر بھی یہان کے اصلی باشندون سے خالی نہ تھا۔ اِنکے ساتھ جنگ کی ٹھنی اور اِنکو غیر آباد مقامات۔ پہاڑونکے غارون اور دُور دراز علاقون مین مُنہ چھپاتے بن پڑی۔ اِن اصلی باشندون کو ناگ (سانپ) یعنے مار کہتے تھے اور چونکہ ہری پربت بھی اِن ناگون کا ماوا و ملجا تھا اِسلیے اسکا نام کوہ ماران مشہور ہو گیا۔

معلوم ہوا ہے کہ کوہ ماران کا جنگی قلعہ عہد شہنشاہ اکبر اعظم سے پہلے بھی موجود تھا۔ کیونکہ ایسا بلند اور معاملات جنگ مین کارآمد مقام گذشتہ راجگان اور بادشاہون کی نگاہون سے جو ہزارہا سال سے یہان حکمران تھے بچ نہین سکتا تھا۔ مگر شہنشاہ اکبر نے ضرور ہے کہ اسکو اپنے ترقی یافتہ ممالک کے مطابق کرنے کو از سر نو بنوایا۔

یہ ایک چوکونی عالیشان خشتی عمارت ہے جسنے مسلمانون سکھون اور موجودہ حکمران راجاؤن کے زمانے کی تاریخ مین اپنا پورا پورا حصہ لیا ہے۔ اب بھی کشمیر کا

سلحہ خانہ اور مخزن تفنگ و توپ یہی ہے اور مردان جری اور دلاوران کار آزمودہ کے ہاتھ مین ایک ناقابل تسخیر مقام بن سکتا ہے۔ مگر زمانہ نے جیسے اور بہت سی چیزون کا ورق پلٹ دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسکی دلچسپی بھی زیادہ تر ایک تاریخی قابل سیر مقام سے زیادہ نہین رہنے دی۔ ہری پربت کے دامن مین ایک نہایت مضبوط اور کشیدہ فصیل بھی عہد اکبری کی یادگار ہے جسکے اندر اس عالی قدر بادشاہ نے وہ شہر آباد کیا تھا جسکو "ناگر نگر" کہتے تھے۔ اسکی رعیت پروری کی مثال اس سے بڑھکر کیا ہوسکتی ہے کہ اس عالیشان شہر مین نو لاکھ آدمیون کی آبادی تھی۔ اس فصیل نے سارے کوہ ماران کو اپنے بیچ مین لیلیا ہے اور ابتک تقریباً بدستور سابق قائم و محکم ہے۔ اگرچہ شہر مین سوائے ایک سنگ موسیٰ کی مسجد اور چند شکستہ مکانات کے اور کچھ باقی نہین۔ جابجا دمدمون اور برجون کے آثار دکھائی دیتے ہین اور اب بھی اس دیوار پر چار شخص پہلو بہ پہلو چل سکتے ہین۔ جو مقام کسی زمانے مین ایک گنجان آبادی کا مرکز تھا۔ آج اُسکے بجاے باغات بادام کا مخزن ہے۔ اور موسم گل یعنے نوروز کے موقع پر اب بھی اِسقدر تماشائی اپنے گرد و پیش جمع کر لیتا ہے کہ سال بھر کا جبر نقصان ہو جاتا ہے۔

اس پہاڑی پر جانب مشرق و جنوب مخدوم صاحب کا مشہور مقبرہ اور مسجد واقع ہے جو کشمیر کے ایک نہایت سربرآوردہ ولی ہین۔ اور یہان سالانہ عرس کیا جاتا ہے۔ فصیل کے مشرقی دروازے پر یہ اشعار کندہ ہین۔ جو اپنی کہانی آپ اپنی زبانی بتاتے ہین۔

بنائے قلعۂ ناگر نگر شد	بحکم بادشاہ دادگستر
شہنشاہے کہ در عالم مثالش	بنود ست و نخواہد بود دیگر
سر شاہان عالم شاہ اکبر	تعالیٰ شانہٗ اللہ اکبر
بکردہ ہیچکس بیگار اینجا	تمامی یافتند از مخزنش زر
قرار دہ لک از مخزن فرستاد	دو صد اُستاد ہندی جملہ چاکر

چل و چار از جلوس بادشاہی
ہزار و شش ز تاریخ پیمبرؐ

ہری پربت کے شمالی پہلو پر استادہ ہونے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر نہایت شاندار سرسبز اور سربفلک کشیدہ درختوں کا سایہ دار جھنڈ نظر آئیگا - یہی کشمیر کا مشہور باغ نسیم ہے جو جھیل ڈل کے مغربی کنارے پر واقع ہے - یہی وہ باغ ہے جسکی بنا جلیل القدر اور عالیشان بادشاہ جلال الدین اکبر شہنشاہ اعظم ہندوستان نے اپنے عہد معدلت مہد مین رکھی - یہ مقام دُنیا کا ایک مشہور آرام گاہ ہے -

خوشا دیارِ نسیم و خوشا بہارِ نسیم
خوشا نسیم چنار و خوشا چنار نسیم

ارم نسیم ہے کشمیر ہے اگر فردوس
روانِ خطۂ کشمیر ہے دیار نسیم

وہ حُسن سبز ترے سبزۂ مطرّا کا
وہ فرش اخضر دیباے سبزہ زار نسیم

وطن نسیم و صبا کا ہے یہ چنارستان
ہے گھر خوشی و مسرّت کا شاخسار نسیم

نہ باغبانِ قضا کے لیے تھا ناموزون
بجاے سدرہ لگاتا اگر چنار نسیم

چہ جان نواز بود آن دمے کہ می پیچد
نسیم صبح بہ گیسوے شاخسار نسیم

وہ آنکھ جسنے اِسے ایکبار دیکھا ہے
عجب نہین رہے تاحشر بیقرار نسیم

ہے سایہ اِسکا مسافر نواز و روح فزا
ہواے کوے وطن باد مشکبار نسیم

ہے شاخ شاخ شجر عندلیب زمزمہ ریز
ستار کی طرح بجتا ہے تار تار نسیم

وہی لباس ملے گا بہشت والون کو
ازل کے روز تھا جو ہوچکا شعار نسیم

ڈل اِسکے پاؤن شب و روز دھوتی رہتی ہے
ہے موج موج سے پابوس دھکنار نسیم

کنند غازۂ رخسارِ خویش سبز خطان
صبا بہند رساند اگر غبار نسیم

گواہ شوکتِ عہدِ شہنشہ اکبر ق
ہے سربلندی ہر گنبدِ چنار نسیم

جلال ہے یہ اُسی باغبانِ عادل کا
کہ آجتک ہے وہی رونق وبہار نسیم

رہیگا نام زمانے مین اِسکے بانی کا
رہیگی خلق خدا یون ہی جرعہ خوار نسیم

نصیب ماست اگر مرگ در دیارِ غریب
خوشا دمیکہ مزارم بود کنار نسیم

چنین بہ کشتِ جہان لطف شاہ اکبر بود
چنانکہ ابر بہارست آبیار نسیم

صادق علیخان

اکبرِ دلی

کلاہِ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج ست
کلاہِ دلکش ست اما بدردِ سر نمے ارزد

خواجہ حافظ نے ہمارے شہنشاہ اکبر کو نہین دیکھا تھا ورنہ اس قسم کا اشارہ ہرگز نہ کرتے جو شیکسپیر نے بھی کیا ہے۔ ع۔ بھاری وہ غم سے سر ہے کہ جس سر پہ تاج ہے۔ کیا دوست کیا دشمن۔ کیا آئین اکبری کے شیخ صاحب (ابوالفضل) کیا خفیہ نویس حضرت مُلّا۔ کیا ہندو کیا مسلمان۔ کیا پرتگال کے پادری کیا سندھ گجرات کے جینی۔ کیا امیر کیا غریب۔ کیا عالم کیا جاہل۔ کیا رند کیا پارسا سب کے دلون مین جسکی حکومت تھی جہان چاہے اور جسکی گود کو چاہے سرہانہ بنا کر بے کھٹکے نیند مین پانؤن پسار سکتا تھا۔ ایسا کون تھا؟ ہندوستان کا شہنشاہ اکبر۔ فرانس کے ایام غدر والے بادشاہ کی بابت ٹامس پین نے یہ رحم کا کلمہ استعمال کیا:۔

ہائے! یہ اُسکی بدنصیبی تھی کہ بادشاہ ہوا۔ بیشک جس بادشاہ کا راج رعایا کی زمین اور جسمون تک محدود ہو اُس سے بڑھکر غریب قابل رحم مسافر در وطن کون ہو سکتا ہے؟

کیا اکبر کے دشمن نہ تھے؟ تھے کیون نہین لیکن مہارانا پرتاب ایسے عالی ہمت جانباز پکے سچے دھرماتما چھتری کا حریف ہونا بھی اکبر کی شان کو دوبالا کرتا ہے خیر! ہمین تو اسوقت حکومتِ اکبر کے کسی اور ہی پہلو سے سروکار ہے۔

کرام ویل۔ بابر۔ محمود۔ رنجیت سنگھ۔ نیز اور بھی ہزارون بادشاہون اور بیرون کا دستور تھا کہ جو مہم شروع کرتے صدق دل سے بارگاہ الٰہی مین اپنا سب کچھ نذر کر کے خدا کے نام پر شروع کرتے اور اُنکے فتوحات اُنکی صداقت اور یاد خدا کے

متناسب تھین۔بہت خوب! لیکن آغاز کار پر دُعا و مدد مانگنا کونسی بڑی بات ہے ہم حقیقی بہادر اُسکو مانتے ہین جسکی عقیدت اور فقیر دلی فتح کے بعد جوش مارے۔ع
جسے عیش مین یاد خدا ہی رہی جسے طیش مین خوف خدا نہ گیا۔ سام وید کے کین اُپنشد مین روایت ہے کہ حواس و اعضا کے عقول و ملایک (دیوتا) ایکبار بڑے معرکہ کی مہم جیت چکے اور جیسا کہ ابھی تک دستور چلا جا رہا ہے عیش و عشرت اور رنگ رلیون مین فتح منانے لگے۔ اُپنشد مین غضب کی خوبی کے ساتھ دکھلایا ہے کہ کیونکر ان دیوتاؤ کو سبق ملا۔ ایسے سبق کو یاد رکھنے والا ہندوستان کا ایک شہنشاہ اکبر ہوا ہے۔

جب فتح پر فتح پاتا گیا۔ اور ایک کے بعد دوسرا صوبہ ہاتھ آتا گیا یہانتک کہ تقریباً تمام قلمرو ہند زیر قلم ہو گیا۔ جب وہ مملکت کی وسعت کے لحاظ سے اور آبادی کے لحاظ سے خاقان چین کو چھوڑ کے دُنیا مین سب سے بڑا بادشاہ ہو گیا۔ جب اُسکے اقبال کا ستارہ عین سمت الراس پر پہونچا۔ جب وہ چڑھتے چڑھتے اُس پھسلنی گھاٹی تک عروج پا چکا جہان ادھر تو نیچے کھڑے ہوے لوگ مُنہ تکتے حیران کھڑے ہوے کہتے ہین۔ع

یہ جائیگا بڑھکر کہان رفتہ رفتہ

اور اُدھر نیپولین ایسا مرد میدان پاؤن پھسلتے ہی دھم سے تحت الثریٰ مین گرا۔ اور گرتے ہی چکنا چُور! ایسی حالت مین اُس غفلت لانیوالی ساعت مین دیکھیے ع

سبکو جب بھول گئے انکو خدا یاد آیا

سوچنے لگا کہ یہ ہڈی چمڑے کا ذرا سا جسم! اِسمین یہ طاقت کہان سے آئی۔کسکی برکت سے۔ ع۔

دولت غلام من شد و اقبال چاکرم

ہوتا جا رہا ہے۔اِس دل و دماغ مین نور کہان سے آتا ہے؟

کون ہے من کو چلاتا کون ہے؟

ان پرانون کو ہلاتا کون ہے۔

کیا اسرار ہے! حیرت ہے!

روزمرہ اس قسم کے سلسلۂ خیال سے اُس نور اعلےٰ نور عین سرور ذات باری

مذہبی تحقیقات

کے شکریہ مین بادشاہ سلامت کا یہ حال ہوگیا کہ ع دل ترا۔جان تری۔عاشق شیدا تیرا۔دن رات کا شغل ہوگیا ؎ ع نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار۔
اکبر کے ہمعصرون مین انگلینڈ کے تخت پر ملکہ الزبتھ رونق افروز تھی۔یہ ملکہ انگلینڈ کے دیگر حکمرانون مین ویسی ہی ممتاز ہے جیسے اکبر دیگر شاہان ہند مین۔انگلینڈ مین عہد الزبتھ یا پروشیا جرمنی مین عہد فریڈرک اعظم علم و ہنر کی ترقی اور ملکی انتظام کی خوبی کے اعتبار سے تو ہند مین عہد اکبر کی ہمسری کر سکتے ہین۔اور وہ دونون تاجور اپنے اپنے ملک مین ہر دلعزیزی کے لحاظ سے اکبر کی برابری کر سکتے ہین۔لیکن مذہبی تحقیقات خدا پرستی اور سب مذہبون کے لیے یکسان رعایت کی رُو سے اکبر کی کامرانی لاثانی ہے مہاراجہ بکرم اور بھوج کے زمانون مین بھی اِسی درجے کی فلاح و بہبودی رعایا کو نصیب تھی لیکن وہ دَور کے ذکر ہین۔مہاراجہ اشوک کے زمانہ مین رعایا کو ہر طرح کا امن میسر تھا۔ خیالات اور مذہب کی پوری پوری آزادی حاصل تھی چین وغیرہ غیر ممالک کے لوگ ہندوستان مین آتے اور مستفیض ہوکر جاتے تھے۔شکاگو ۱۸۹۳ء کی طرح ہند مین جلسۂ مذاہب دُنیا بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا تھا۔لیکن اکبر کا تو نہ صرف دربار بلکہ دل بھی لگاتار جلسہ گاہ مذاہب دُنیا بن رہا تھا۔کسی مذہب یا ملت کے لیے دروازہ بند نہ تھا۔علم۔راستی اور حق کو خواہ کس جانب سے آئین ہمیشہ خوش آمدید کہتا تھا اِس جوانمرد کا دل صلح کل کا گھر تھا اور پیشانی کسی مخالف مذہب یا راے کے لیے مقفل نہ تھی۔علما۔مُلّا۔شیخ۔قاضی۔وِدوان۔پنڈت۔شاکت۔وشنو جینی۔پارسی عیسائی پادری۔اور کشمیر کے۔دکن کے۔پورب کے۔سندھ گجرات۔فارس۔عرب پرتگال اور فرانس تک کے لوگ اپنے اپنے عقیدے اور خیالات دل کھولکر بادشاہ کو سُناتے ہین اور بادشاہ سلامت نہایت شوق سے سُنتے اور انصاف سے داد دیتے ہین۔دن ہی کو نہین رات کو بھی جب لوگونکے آرام کا وقت ہے محلسرا کے چبوترے پر شہنشاہ اکبر ع

پےٌ علم چون شمع باید گداخت

کی زندہ مثال بنے ہوے ہین۔اُنکی انسانی کی مشعل روشن کر رہے ہین۔بعض ناظرین کو کچھ دلگی کی سی بات معلوم ہوگی کہ شاہی چبوترے سے رستے لٹکائے جاتے ہین

اور محلون کی دیوار کے ساتھ ایک پلنگ کھنچا ہوا اوپر چڑھتا آتا ہے حتی کہ چبوترے
کے قریب آپہونچا۔ رات کے وقت معلق پلنگ پر براجمان پنڈت جی مہاراج یا
حضرت صوفی کرام یا کوئی اور صاحب دل اپنا مسئلہ تقریر یہ شروع کرتے ہین اور
شاہ بیدار مغز غور سے سُنتے اور سوال کرتے ہین۔ اکثر ساری رات ذکر سُنتے سُننے
یا بحث و تفتیش مین گزر جاتی ہے۔ واہ رے شوق تحصیل علم!

بادشاہ کے حکم سے سب مذاہب کی کتابون کے فارسی ترجمے شروع ہو گئے
ترجمۂ انجیل کے شروع کا مصرع ہے ع

اے نام تو جیزز و کرسٹو

بھاگوت۔ مہابھارت اور خصوصاً بھگوت گیتا۔ وشنو پُران اور چند اُپنشدین
فارسی نظم و نثر مین پردئی گئین۔ اِن ترجمون کو سُنتے رہنا اور خود زبان حال سے
اعمال مین سُناتے رہنا اکبر کا سب سے بڑا کام تھا۔

جملہ معترضہ

گیتا۔ وشنو پُران۔ اور اُپنشدون کے یہ ترجمے ادویت ویدانت کے طرفدار
ہین۔ اِن ہی کتابون کے فارسی ترجمے بعد مین بھی ہوے مگر یہ اکبر والے ترجمے تھے
جو فرانس کے آدمی لاطینی زبان مین (جو اُن دنون یورپ کی علمی زبان تھی) ترجمہ کر کے
فرنگستان کو لیگئے۔ اِسطور پر یہ کتابین پہلے پہل فرانس مین اور وہان سے جرمنی
مین پہونچین۔ یورپ مین انکی ازحد قدر ہوئی شلیگل۔ وکٹر کزن۔ شاپن ہاور وغیرہ
یورپ کے فلسفیون کی فرط جوش مین ہندو فلسفہ کی ثناخوانی اِن کتابونکی قدردانی
کی شاہد ہے۔ فرانس سے ہنری تھورو کے ذریعے یہ لاطینی ترجمے امریکہ مین پہونچے
اور تھورو کے دوست ایمرسن (امریکہ کے سب سے بڑے مصنف) کے ہاتھ لگے
ایمرسن اور تھورو کی تحریر پر بیدانت کا بہت ہی بڑا اثر ہے۔ اور زیادہ تر ایمرسن
کی تصنیفات کی بدولت امریکہ مین بیدانت نما نیا مذہب خیال نو چل نکلا ہے۔
جو بہت جلد عالمگیر ہونے کا امیدوار ہے۔

دُنیا کے تقریباً سب سے بڑے دارالعلوم (ہارورڈ یونیورسٹی) کا محقق
پروفیسر جیمز رائے زن ہے کہ صوفی مذہب عام مسلمانی پر بیدانت کے اثر کا نتیجہ
ہے۔ راقم اِس رائے سے اتفاق نہین کرتا۔ البتہ اِسمین کچھ شک نہین کہ صوفی خیالات

پھیلنے مین اکثر جگہ بیدانت سے بہت مدد ملی ہی۔ اور ہمین اِس امر کے تسلیم کرنے مین بھی تامل نہین کہ سنسکرت کتابونکے اکبری ترجمے ہندوستان اور فارس وغیرہ مین تصوف کے بڑھانے پھیلانے مین جز وعظیم ہوے ہین۔

اکبر کا چہرہ گل نوبہار کیطرح کھلا ہوا تھا۔ سنجیدگی لیے ہنسی گویا لبون سے پیوند تھی۔ یہ بشاشت کیون نہوتی؟ جہان محبتِ خلق یا عشق الٰہی ہے غم و غصہ کی کیا مجال کہ پاس پھٹک سکے۔ ع ہر جا کہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را ؎

یاد الطاف خدا در دل نہان داریم ما — در دلِ دوزخ بہشت جاودان داریم ما

جنکے دل ایسے وسیع اور جنکی طبعی محبت عالمگیر تھی اُنمین سے ایک مُلا صاحب در پردہ بادشاہ کو یون طعن کرتے ہین ؎

خندہ کردن رخنہ در قصرِ حیات افگندن است — میشوی از ہر نسیمے ہمچون گل خندان چرا

حضرتِ ناصح! آپ تو بادشاہ کی ہر ایک سے خندان پیشانی کو موت کے سایہ کے آنچل کے تلے چھپایا چاہتے ہین۔ جائیے! موت کی گیدڑ بھبکیان اُنکو دیجیے جو محبتِ خلق سے بے بہرہ ہین۔ ہمارے بادشاہ کی تو زبانِ حال یون پکار رہی ہے ؎

مرنا بھلا ہے اُسکا جو اپنے لیے جیے — جیتا ہے وہ جو مرچکا انسان کے لیے

ع روئے کہ زودِلے نکشاید ندیدنی ست۔ "غیر مذہب والے سے بھی سلوک کرو"۔ "مخالف سے بھی محبت کرو"۔ "شخصی عداوت کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالو"۔ "سب سے محبت رکھو"۔ وغیرہ۔ کہنا آسان ہے لیکن کرنا بہت کٹھن۔ پر ہان! کٹھن ہو خواہ کٹھن سے بھی کٹھن۔ عموماً ہمیشہ اور خصوصاً آجکل ہندوستان مین بغیر اِس اصول کو عمل مین لائے اتفاقِ قومی اور اتحادِ ملکی ہرگز ہرگز پیدا نہین ہوسکتا۔ ہم یہ نہین کہتے کہ جس مذہب مین پیدا ہوے اُسے چھوڑ ڈھلمل یقین یا رکابی مذہب بنجاؤ۔ البتہ ہم یہ ضرور کہتے ہین کہ جس مذہب کی چار دیواری مین پیدا ہوے اُس چار دیواری سے قدم باہر نکالنے کو گناہ سمجھنا بذات خود روحانی خودکشی کا گناہ ہے۔ جہان پیر ٹکاؤ محکم جاؤ پھسل نہ جاؤ۔ مگر ہاں خدا قدم آگے بھی بڑھاؤ۔ کسی چار دیواری مین پیدا ہونا اور پرورش پانا تو امر لازمی ہے۔ البتہ اُسی چار دیواری مین بند رہکر اُسی مین مرنا پاپ ہے۔ اور لوگون کے ناپائدار دنیوی خزانے تو لوٹ کر لے لینے بھی منظور ہو جاتے ہین لیکن کیسے تعجب کی بات ہے کہ اور لوگ جب اپنے روحانی خزانے (فلسفہ اور اصول و عقائد مذہبی) منت سے بھی پیش کرین تو نفرت ہی رہتی ہے۔ اِس نفرت کا باعث اصلی کیا ہے؟

خامی۔ یعنے جس مذہب مین پیدا ہوے اُسمین تحصیل کامل اور کافی تجربہ نہونا ؎

آزادیِ مادر گروِ پختگیِ ماست
آویختہ است از رگِ خامی ثمرِ ما

لیکن کوئی کچھ ہی کہے اورونکے عقائد مذہبی کی وہی قدر و عزت کرنا جو اپنی چار دیواری کے عقیدون کی کرتے ہین از حد مشکل ہے۔ پیارے ناظرین ! ذرا خیال تو کرو جس مذہب مین آپنے پرورش پائی اُس مذہب کے مخالف لوگونکی وعظ و تقریر سُننے کی تیاری کے لیے کسقدر دل کی کمر کسنی پڑتی ہے۔ مگر بل بے اکبر! تیرا دل ہے کہ سب کا دل ہو رہا ہے۔ تو گویا رعیت کے سب گھرون مین پیدا ہوا تھا سب مذہبون کی گود مین کھیلا تھا سب فرقونکے ہان پلا تھا۔ نہ صرف مبارک اسلام بلکہ ہندو دھرم جین مت۔ پارسائی۔ اور عیسائی مذہب بھی اسی شد و مد سے تیرے پیدائشی مذہب ہو رہے ہین۔ ہندوستان کو انتخاب جہان نام دیتے ہین اور تو انتخاب ہندوستان بن رہا ہے۔ انسان کو عالمِ صغیر (Microcosm) کہتے ہین مگر تو درحقیقت انسان اکبر بن رہا ہے۔ محبت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ رفیق کا دل ہمارا دل ہو جائے۔ اور یکدلی کا پرلا سرا یہ ہے کہ دوست کے عقائد اور اُسکا خدا ہمارے عقیدے اور خدا ہو جائین اور پاکیزگی کی حد یہ ہے کہ یہ یکدلی کا پرلا سرا ایک محبوب تک محدود نہ رہی بلکہ ساری ہی خلقِ خدا کے ساتھ عمل مین آجائے۔ وہ کونسی کرامات ہے جو اِس پاکیزہ عشقِ عالمگیر کے لیے ناممکن ہے۔ وہ کونسا معجزہ ہے جو اِس عاشقِ حقیقی کے لیے بچون کا کھیل نہین بنجاتا؟ آج اکبر کی اِس پاکیزہ اُلفتِ عالمگیر کا ہم نام رکھتے ہین۔

اکبر دلی

اِس اکبر دلی سے کیا نہین ہو سکتا؟ آئین اکبری مین لکھا ہے کہ جب اکبر کا جذب اندرونی بہت بڑھ گیا تو اکبر کی نگاہ سے بیمار راحتی ہو جانے لگے۔ اکبر کا دھیان کرنے سے لوگون کی مُرادین بر آنے لگین۔ دُور و دراز کی باتین اکبر کے دلمین منکشف ہو جانے لگین ؎

حسب ارشاد ہی سب بات تھو کیا معنے
عشق ہو راست کرامات نہو کیا معنے

یہ کوئی نئی بات نہین ہے۔ حضرت محمدؐ۔ عیسٰے۔ ہندؤن کے رشی مُنی مہاتما۔

کن کن کی بابت ایسا نہین سُنا گیا؟ اضلاع متحدہ امریکہ مین آج ہزارون بلکہ لاکھون
ایسے لوگ موجود ہین جنکے لیے امراض کا علاج سوائے خدا مین یکسو دلی کے اور کسی
طریق سے کرنا سخت ترین قسم اور بدترین کفر سے بھی بُرا ہے ؎

اوشد ہی کھاؤن نہ بوٹی لاؤن نہ کوئی بید بلاؤن
پُورن بید ملے ابناشی واہی کو نبض دکھاؤن

مولانا جلالِ رومی ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما | اے دوائے جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما | اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

حال مین سائکالوجی آف سجشن (علم الروح) کی علمی تحقیقات نے امریکہ کے
سرکاری شفاخانون مین علاج بلادوا (علاج روحی) جائز کرا دیا۔ اکبر دلی۔ اسلام
بشواس اگر رائی کے دانے بھر بھی ہو تو پہاڑون کو ہلا سکتا ہے۔ میرے پیارے
نوجوانانِ ہند! تم گئی گذری اٹھارھوین صدی کے ڈیوڈ ہیوم وغیرہ کے بھرّے
مین آکر جہل کا نام علم مت رکھو۔ بجائے اسلام اور بشواس کو کم کرنیکے راسخ الاعتقادی
اور محبت عالمگیر کو بڑھاتے کیون نہین؟ اگر برق اور دُخان کی طاقتین بیان سے باہر
ہین تو قلب انسان کیا نہین کر سکتا؟ بلالحاظ قوم و ملت و ملک کے ہر فرد بشر کے ساتھ
وہ اُنس انسانی جو سچّا انسان بناتا ہے اتنا جوش سے بھرا پیدا کرو جو کُنبے کے دو
ایک آدمیون مین خرچ کر رہے ہو۔ ملک کی مٹی تک کو عزیز بنا کر دیکھو۔ یہی دُنیا جنت
رضوان کو مات نہ کر دے تو کہنا۔ کیا تمنے دل کو عداوت سے بالکل پاک اور کینہ
سے شیشے کیطرح صاف کرنے کا تجربہ کبھی کیا تھا؟ ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقتِ ما کافری ست رنجیدن

اگر یہ امتحان ابھی تک نہین کیا تو تم اُسکے نتیجون کو رد کرنے کے بھی مجاز نہین
یوگ درشن مین لکھا ہے: ۔ جب ہم مین محبت کلّی (اہنسا) مضبوط طور پر قایم ہو جائے
تو آس پاس کے جنگلی درند و گزند وغیرہ مین بھی عداوت نہین رہ سکتی۔ اگر عمل وجوابِ
عمل (ایکشن اور ری ایکشن) کی مساویت کا مسئلہ درست ہے تو کیون ایسا نہو گا؟

علم نُما جہل یا عقل ظاہر بین کی روحانی بدہضمی کے دائمی ہو جانے سے شک کی مہلک تپ دق پیدا ہوتی ہے۔ یہی کفر ہے جو اسلام (شردھا۔ بشواس) رُوحانی زندگی کو چُپکے چُپکے کھاجاتا ہے۔ دل مین شک رکھتے ہو؟ اِسکے بجاے بندوق کی گولی کیون نہین مار لیتے۔

جسے عوام کشف و کرامات (خرق عادت) کہتے ہین کیا اِسکی خاطر اسلام اور اکبر دلی درکار ہین؟ ہرگز نہین۔ اسلام اور اکبر دلی تو فی نفسہ مسرت ہین جب کبھی آپ اپنے بڑے افسر سے ملنے اسکی کوٹھی پر جاتے ہین تو کیا افسر کے اُس کُتّے کی خاطر جاتے ہین جو کوٹھے کے دروازے پر دُم ہلاتا ہوا آکر تمہارے پیر سونگھتا ہے؟ ع

خرق عادت کے بکار آید دل افسردہ را
گر رود بر آب نتوان معتقد شد مردہ را

ایک دفعہ درباریون کے امتحان کے لیے اکبر نے ایک خط کھینچا اور کہا۔ اِسے چھوٹا کر دو۔ کوئی نیچے سے کوئی اوپر سے کوئی وسط سے خط کو کاٹنے لگا۔ اکبر بولا" یون نہین! یون نہین! بغیر کاٹنے یا مٹانے کے کم کر دو"۔ بیربل نے اِس سے بڑی لکیر پاس مین کھینچکے کہا" یہ لو۔ تمہارا خط چھوٹا ہو گیا" واہ وا! اسی طرح اگر تمہین کسی مشرب وملت کا رشک ہے تو اُس خط کو مٹاتے یا کاٹتے مت پھرو۔ مذہبی دنگے ٹھیک نہین۔ یہ حکمت درست نہین۔ تم اپنے دل کو اُنکے دل سے وسیع تر بنا دو۔ اپنے پریم بھگتی کو اُنکے پریم سے بڑھا دو۔ اپنی اُلفت انسانی کو اُنکی اُلفت سے دراز تر کر دو۔ اپنی ہمّت کو بلند تر کر دو۔ اپنے خیال کو فراخ تر کر دو حقیقت (پرمیشور) پر اپنے یقین (بشواس) کو بڑے سے بڑا یعنے اکبر بنا دو۔ دُنیا کی ظاہری جھلک۔ اسمار و اشکال کی چمک دمک۔ اِس نمود و پدید کی گوناگونی۔ صور تماشے ناپائدار کی بوقلمونی۔ خواہ کسیکی آنکھونکو اندھا کرے۔ فلاسفر اور پروفیسر اِس سراب مین پڑے ڈوبین۔ حاکم اور امیر اِس دامِ عنکبوت مین پھنسے پڑے رہین۔ پنڈت اور عالم اِن لہرون مین اُلجھے رہین۔ جوان اور بوڑھے اِس خواب مین پڑے مرین۔ لیکن تمہین ذات حقیقی کو کبھی نہ بھولنا۔ تمہین اپنی آنکھ حق مطلق سے نہ اُٹھانی۔ اے اہل یقین! اے حقیقت بین! پھر دیکھ مزا۔ کسکا رشک اور کیسے حریف؟ ع

قمریان عاشق ہین تیری سرو بندہ ہی ترا بلبلین تجھ پر فدا ہین گل ترا دیوانہ ہے
ظاہری ہندو ہین ۔ مسلمان ہین ۔ عیسائی ہین وغیرہ مختلف پیالون کی طرح ہین
جنمین پاکیزہ عشق عالمگیر کا دودھ پلانے کی کوشش وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے لیکن ان
سب پیالون کا دودھ اِن سب مشربون کی جان نفیٔ انانیت یا عشق حق ہی ہے

مذہب عشق از ہمہ ملت جدا است
عاشقان را مذہب و ملت خدا است

اُن پُرانے پیالون کی طرح حضرت اکبر نے بھی ایک نیا جام گڑھا یعنی نئے رسوم
و قواعد مین یہ آبِ حیات ڈالا ۔ اِس نئے جام کا نام رکھا گیا

دین الٰہی

آزادہ روی کا مشرب تھا ۔ ہندو مسلمانون کو شیر و شکر کر دینا اسکا مقصد
تھا ۔ پیالہ خوب سُتھرا تھا ۔ مگر پیالون سے ہماری بھوک یا پیاس نہین بجھ سکتی ۔ پیالے
تو پیشتر سے بھی بہت موجود ہین ۔ ہمکو تو دودھ چاہیے یا شراب سہی ۔ جگر کی آگ تو
وحدت کے آبحیات سے بُجھتی ہے ۔ اکبر دلی درکار ہے ۔ خواہ کسی پیالے مین دیدو
پُرانا ہو کہ نیا ۔ زرین ہو کہ سفالی ۔ ع جگر کی آگ بُجھے جس سے جلد وہ شے لا ۔

پیالہ پرستی سے نفاق بڑھتا ہے ۔ یہ سب پیالے بذات خود تو بُت ہین ۔ آخر
یہ بُت پرستی کہانتک ۔ مبارک ہے وہ کہ جام نوشی کی ترنگ مین جسکے ہاتھ سے پیالہ
چھوٹ گیا پھوٹ گیا اور ٹوٹ گیا ۔ لا مذہب ہے ع قدحے بلبم بود شکستی ربی ۔

مبارک ہے وہ دُلھن جسکے ستر و پردہ کو ۔ جسکے کپڑون گہنون کو ۔ جسکے
حجاب عروسی کو عین محبت مین خاوند خود آکر اُتارتا ہے ۔ یہ بناؤ سنگار ۔ یہ پوشاک
لباس پہنے ہی کسکے لیے تھے ؟ ع این خرقہ کہ می پوشم در رہن شراب اولیٰ ۔

یہ مبارک موتیون والا جب وشنوؤن کے مندر مین جاتا ہے تو کرشن کی
مورتی اُس سے موتی مانگ ہی لیتی ہے ۔ آنسو نکلوا کر چھوڑتی ہے

ہاتھ خالی رہ مردم دیدہ ! بُتون سے کیا ملین
موتیون کی پنجہ مژگان مین اک مالا تو ہو

مسلمانون کی مسجد مین گزر ہو تو

سجدۂ مستانہ ام باشد نماز مصحف روئیش بود ایمان من
کا حال ہو جاتا ہے۔ بیشک "کچھ نہین ہے۔ ماسوا اللہ کے"۔ عیسائیون کو گرجاؤن
مین وہ خودی و جسمانیت کا صلیب پر معلق نظارہ اپنے ساتھ صلیب پر کھینچے بغیر کب
چھوڑتا ہے ؎

نہ دارِ آخرت سنے دارِ دُنیا در نظر دارم
ز عشقت کار چون منصور با دارِ دگر دارم

کیا یہ اکبر دلی اکبر ہی کے لیے مخصوص تھی۔ اور ہمسے تمسے بالکل بعید ہے؟
کیا یہ سلطان دلی ظاہری سلطنت ہونے پر موقوف ہے؟ ہرگز نہین۔ عیسیٰ کے
ہمرکاب کوئی نو سو گھوڑی تو نہین چلتی تھی۔ لیکن اسکی برکت دل کی بدولت
لاکھون نہین کرورون یورپ کے مہذب باشندے غریب عیسیٰ کے نقش پا پر چلنے
مین نجات مانتے ہین۔ کیا بنجر عرب اور کیا عرب کا ایک ان پڑھ یتیم جنگلون مین
رہنے والا جسکے دل مین شعلۂ اسلام (یقین کی آگ) بھڑک اٹھی "نہین ہے کچھ بھی
سوا اللہ کے"۔ ریگستان عرب کے بیجان ذرے اس آگ نے بارود کے دانے
بنا دیے اور اس ریت کی بارود آسمان تک اُچھلتے اُچھلتے تھوڑے ہی عرصے مین
ایشیا کے اس سرے سے لیکر یورپ اور افریقہ کے اُس سرے تک پھیل گئی مشرق
اور مغرب کو احاطہ کرلیا۔ دہلی سے گرینڈا تک گھیر لیا۔ ہائے غضب! ایک دل۔
غریب دل۔ بادشاہ کا نہین۔ عالم کا نہین۔ ایک اُمّی یتیم کا۔ اور یہ خدا دلی! اب
کون کہیگا کہ بادشاہ دلی (اکبر دلی) بیرونی بادشاہت کی محتاج ہے؟

بیرونی بادشاہت تو بادشاہ دلی کی سدِّ راہ اور مزاحم ہے۔ بُدھ بھگوان کو بادشاہ
دلی کی خاطر ظاہری بادشاہت کو ترک کرنا پڑا۔ اونٹ پر چڑھ کرا ونٹے نہ لینا تو
ٹیڑھی کھیر ہے۔ اسباب ظاہر داری اور سامان دنیوی کے بیچ مین رہکر پانی مین کنول
کیطرح بے لوث رہنے کا سبق ہمین آجکل درکار ہے۔ اور یہ سبق پچھلے زمانے مین
مہاراجہ جنک۔ اجات شترو۔ بھگوان رام چندرا اور وہ میدان جنگ مین نغمۂ
یزدانی گانے والا دیگئے تھے۔ وہی سبق آج تین سو سال ہوے روشن طریق پر
شہنشاہ اکبر نے ہمین پھر دیا۔ مصلحت وقت یہی ہے کہ خواہ کسی حالت مین ہو اکبر دلی حاصل کرلو

اکبر دلی سب
اختیار مین ہے

اہل ہند! مایوس مت ہو جیے۔ یہ بیج اُگے بغیر نہین رہ سکتے۔ قدرت کاملہ اس کھیتی کی دہقان ہے۔ بشواس (ایمان) سے خالی ہون تمہارے دشمن یقین سے بےنصیب تمہاری بلا ہو۔ میری جان! مٹی کے ڈھیلون مین اناج کا بیج تو اس قدرت سے اُگ آتا ہے۔ تو کیا تم انسانون کے ساتھ ہی خدا کو مذاق کرتا تھا۔ کہ سرزمین دل مین تخم اکبر دلی نہ اُگیگا؟

میدان مار لینا تو غیر اختیاری امر ہے۔ لیکن دل کا مارنا تو تمہارے اختیار کا کام ہے۔ اور سچ تو یون ہے کہ جو صاحب دل ہو گیا وہ صاحب دُنیا بھی ہو گیا ؎

مارنا دل کا سمجھتا ہون جہاد اکبر
وہ ہی غازی ہے بڑا جسنے یہ کافر مارا

اور یہ جو کہا کرتے ہین ع دل بدست آور کہ حج اکبر ست۔ وہان اپنے ہی دل کی تسخیر معنی خیز ہے۔ اگر ظاہری سلطنت تمہین نصیب نہین تو کم از کم ایک ولایت مین تو تم حکمران ہو سکتے ہو۔ وہ کون؟ ولایت دل۔ سلطنت قلبی ؎

اگر تن را نباشد دل منور زیر خاکش کن
نباشد در شبستان عزتے فانوس خالی را

حقیقی بادشاہ وہی ہے جو ؎

غم و غصہ و یاس و اندوہ و حرمان
عناد و فساد و عملہاے شیطان

کو اپنی ولایت مین پھٹکنے نہ دے۔

کامیابی بخش اتفاق صرف نیکی مین ہو سکتا ہے۔ جو لوگ غلام نفس رہکر ترقی کی اُمید کرتے ہین۔ جو لوگ بُرائی کی نیت سے ملتے ہین۔ جہالت کے قائم رکھنے کو اتفاق کرتے ہین وہ ریت کے رسے بٹتے ہین۔ انھین صعود عالم (ایوولیوشن) کا بہاؤ۔ مشیت ایزدی کا دباؤ۔ دریاے پستی مین غرقاب کرتا ہے۔ یہ وہ قانون قدرت ہے کہ اسکی آنکھون مین خاک کوئی نہین ڈال سکتا۔ زور صرف پاکیزگی مین ہے۔ اگر تھوڑا بہت تجربہ حاصل کر چکے ہو تو اپنے دل سے پوچھو۔ ہے کہ نہین؟ لارڈ ٹنی سن کا سر گیلا ہڈ کہتا ہے ؎

بجمعیت قوت

دس جوانون کی مجھ مین ہے طاقت کیونکہ دل مین ہے عفت و عصمت

پاکیزگی اور راستی۔ شُدھی اور سچائی۔ یقین اور نیکی۔ اسلام اور اکبر دلی سے بھرا ہوا آدمی عَلَم ترقی ہاتھ مین لیے جب قدم بڑھاتا ہے تو کسکی مجال ہے کہ آگے سے ٹل نہ جائے؟ اگر تمہارے دل مین یقین اور راستی بھری ہے تو تمہاری نگاہین لوہے کے ستون چیر سکتی ہین۔ تمہارے خیال کی ٹھوکر سے پہاڑون کے پہاڑ چکنا چور ہو سکتے ہین۔ آگے سے ہٹ جاؤ۔ دُنیا کے بادشاہو! یہ شاہِ دل تشریف لارہا ہی سخت پتھر کیطرح ملک مین صدیونکے جمے ہوے تعصبات اسکے پاؤن کی آہٹ پاکر اُڑ جائین گے۔ اہلیا کی شِلا اِس رام کے چرن چھوتے ہی دیوی ہوکر آسمان کو سدھارے گی۔ عصاے اکبر دلی قلزم کو مارو اور وہ رستہ دیدیگا۔ سب سے پہلے مسلمان (خود حضرت محمدؐ) کا قول ہے" اگر میرے دائین کان کے پاس سورج کھڑا ہو جائے اور بائین طرف چاند۔ اور دونون مجھے دھمکا کر کہین کہ چل ہٹ پیچھے! تو بھی مین کبھی نہین ہٹ سکتا۔

اگرچہ قطب جگہ سے ٹلے تو ٹلجائے اور آفتاب بھی قبل عروج ڈھلجائے

کبھی نہ صاحب ہمت کا حوصلہ ٹوٹے کبھی نہ بھولے سے اپنی جبین پہ بل آئے

صفا قلبی۔ راست باطنی۔ اکبر دلی مین یہ زور ہے۔ خوفِ دل اسکے بغیر دُور نہین ہوتا۔ بیم و رجا اِسکے بغیر جان کھاجاتی ہے۔ اور خوف وہ بلا ہے کہ مرد کو نامرد کرتا ہے ساری طاقت کے ہوتے کچھ ہونے نہین دیتا۔ جیسے اندھیرے مین عموماً تیرہ فعلی کے سوا اور کوئی کام بن نہین پڑتا۔ اِسیطرح جب دلمین یقین اور اکبر دلی کی روشنی نہو تو انسان سے کوئی کارنمایان بن نہین پڑتا۔ جسقدر پاکیزگی اور یقین دل مین زیادہ گھرا ہوگا اسی قدر ہمارے کام زیادہ روشن ہونگے۔ ع۔ نفس بہ نے چو فرو شد بلند میگردد۔ دُنیا کے خوف و خطر۔ ع۔ غم و غصہ و یاس و اندوہ و حرمان۔ اُسوقت تک تمہین ضرور ہلاتے رہین گے جب تک دُنیا کے ع۔ نقش و نگار۔ رنگ و بُو تازہ بتازہ نو بنو۔ تمہین ہلا سکتے ہین۔ اور جب تم دُنیا کے لالچون اور دھمکیون سے نہین ہلتے تو تم دُنیا کو ضرور ہلا دوگے۔ اِسمین جو شک کرتا ہے کافر ہے۔

اکبردلی کا ہندی یا سنسکرت ترجمہ ہوگا مہاتما (مہا۔آتما) یعنے بزرگ روح وہ آدمی اکبر دل یا مہاتما ہرگز نہین ہو سکتا جسکا دل تنگ ایک محدود چھوٹے سے دائرے مین بند ہے۔ جسکی ہمدردی صرف ہندو مسلمان یا عیسائی نام سے وابستہ ہے اور اِس سے پرے نہین جا سکتی وہ تو اصغر دل ہے اکبر دل نہین۔ لگھو آتما ہے مہاتما نہین۔ اکبر دل کا تو حال یہ ہے :۔

ہان ! بلبل و گل۔ مہر و مہ کی آنکھ مین ہے تل مرا ہر جان میری جان ہے ہر ایک دل ہے دل مرا
اِن سبکے سینو نمین دھڑکتا ایکسان ہے دل مرا ہندو مسلمان پارسی سِکھ جین عیسائی یہود

جاپانی بچہ جب اسکول مین جانے لگتا ہے تو ایک نہ ایک دن اُستاد شاگرد مین ذیل کا سلسلۂ گفتگو ضرور چھڑتا ہے :۔

اُستاد۔ تم کتنے بڑے ہو؟۔ جب بچہ اپنی عمر بتاتا ہے تو پھر

اُستاد۔ تم اتنے بڑے کیونکر ہوے ؟

بچہ۔ خوراک کی بدولت۔

اُستاد۔ یہ خوراک کہان سے آئی ؟

بچہ۔ ہمارے ملک کی زمین سے پیدا ہوئی۔ (بیشک اگر نباتی غذا ہے تو براہ راست اور اگر حیوانی غذا ہے تو بذریعہ جسم حیوانی انجام کار زمین ملک ہی سے تو آتی ہے)

اُستاد۔ پس تمہارا جسم جاپان کی مٹی سے پھلتا پھیلتا ہے۔ اور مان باپ مین طاقت کہان سے آئی جسکی بدولت تم پیدا ہوے ؟

بچہ۔ غذا سے جو جاپان کی زمین سے نکلی۔

اُستاد۔ پس جاپان کی مٹی سے نہ صرف تم پھلتے پھولتے ہو بلکہ پیدا بھی اِسی سے ہوے

بچہ۔ جی ہان !

اُستاد۔ پس جاپان کو اختیار ہے جب مناسب سمجھے یہ جسم لیلے۔

بچہ۔ جی ہان ! میرا کوئی عذر جائز نہوگا۔

چلو اتنی بات چیت سے ننھے بچے کے ہر رگ و ریشہ مین ملک پر جان نثاری کا خیال ہمیشہ کے لیے کھُپ گیا۔ قابل تحسین ہین وہ چھوٹے چھوٹے بچے جنکو یہ موٹی سی بات ذہن مین سما جاتی ہے اور عمل مین آجاتی ہے۔ ہمارے ملک مین اِدھر تو

وڈوان پنڈت اور اُدھر عالم و فاضل مولوی صدیون مین عملاً یہ نہ سمجھے کہ چونکہ ہم ہندو اور مسلمان ایک ہی ماں (ہندوستان) سے پیدا ہوے ہین اور اسی کے دودھ سے پلتے ہین چونکہ ہم ہندو اور مسلمان دونون کی رگون مین خون ایک ہی زمین کی نباتات آب و ہوا وغیرہ سے پیدا ہو رہا ہے

تو ہم حقیقی بھائی ہین

یورپ کے کسی ملک کا شخص جب امریکہ مین جا بستا ہے تو وہ تین سال کے قیام مین اُسکی کل ہمدردی اور محبت امریکہ کے پڑوسیون سے ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ اُسکے ہم مذہب ہون یا نہون - یہ نہین کہ جسم تو امریکہ مین اور دل اُس پُرانے ملک مین رہے۔

یورپ کے اکثر لوگ عیسائی مذہب ہین - اور بعض اُنمین عیسےٰ کے نام پر جان فدا کر دینا عین راحت سمجھتے ہین لیکن سارے یورپ مین ایک بھی ایسا نہ ملے گا جو عیسےٰ کی قوم یا عیسےٰ کے ملک کو اپنی قوم یا ملک سے زیادہ عزیز رکھتا ہو۔

راقم محبت سے کہتا ہے اور محبت پریم وہ چیز ہے کہ اسکی سختی بھی گوارا ہوتی ہے۔ پیارے اہل اسلام! یہ تفرقہ کیون کہ بقول شاعر - ع - سر ہے کہین دل کہین جان کہین ہے - صدیون سے ہندوستان مین رہتے ہین تو دل ہندو لوگونسے الگ کیون رکھے جائین!

ہندو پنڈتون سے ہین یہ کہنا ہے "مریادا پرشوتم بھگوان کے شبری کے جھوٹے بیر، غریب ملاح سے پریم - بندرون تک سے گرویدہ کر لینے والی محبت دشمن کے بھائی پر وہ شفقت ذرا یاد تو کرو - اور ذرا یہ بھی یاد تو کرو کہ لفظ "پنڈت" کی مندرجہ ذیل تعریف کون کر گیا ہے - دونون جانب لڑنے مرنے کو نوجین ڈٹ رہی ہین - سارے ہندوستان کے شہزورون کے دل مارے غصے اور فساد کے گویا آسمان تک اُچھل رہے ہین - ایسے موقع پر زبان حال سے اور قال سے نور بخش عالم (جگت گورو) کیسے صاف اور سُریلے گیت مین تمہارے لیے پیغام یا حکم چھوڑ گیا ہے - ہزار سال ہو گئے آکاش نے اپنے ڈاکخانہ مین اس چٹھی پر گرد کا نام نہ پڑنے دیا - قاصد ہوا اسے اپنے پرون سے باندھ شمال جنوب مشرق - مغرب - پُرانی دُنیا - نئی دُنیا - نصف کرۂ شمالی - نصف کرۂ جنوبی - جاپان - یورپ - امریکہ -

آسٹریلیا سب جگہ پہونچا آیا - آفرین ہے اس کبوتر کی وفاداری کو ! غیر ممالک کے لوگ اس مراسلے پر عمل کرکے دن دونی رات چوگنی ترقی پارہے ہین - پر ہاے ! تمنے جنکے لیے یہ شرتی - یہ وحی سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اسے عملی برتاؤ کے وقت بہانون ہی مین ٹالدیا -

پنڈت کی تعریف

ماہر علم و فن برہمن مین گائے مین - فیل مین کہ دشمن مین
سگ مین - سگ کش مین یک نگاہی ہو دل مین اُلفت ہو اور صفائی ہو
جس مین اس ایکتا کی رنگت ہے
وہی پنڈت ہے - وہ ہی پنڈت ہے

(بھگوت گیتا - ادھیاے ۵ اشلوک ۱۸)

ڈھائی اچھر پریم کے پڑھے سو پنڈت ہوئے -

پنڈت تو وہ ہے جسکی چشم محبت دا ہے - جو گیان اور پریم کے جوش مین حیوانات نباتات بلکہ پاشان پتھر تک مین بھی اپنے ٹھاکر بھگوان کو دیکھتا اور پوجتا ہے چہ جائیکہ پنڈت وہ کہلائے جسے حضرت انسان کے سایے سے نفرت ہو مسلمان کو چھونا پاپ جانے اور عملاً پتھر (پرتما) ہی مین بھگوان مانے -

اکبر کے پاس اسکے کوکا کی کئی دفعہ شکایت آئی - بار بار کی بغاوت اور کئی مرتبہ کی سازش کی خبرین اکبر نے اس کان سے سُنکر اُس کان سے نکالدین - جب ہوا خواہانِ دولت نے سخت گلہ کیا کہ جہان پناہ ! اسقدر نرمی اور رعایت کیون روا رکھی جارہی ہے ؟ تو جواب دیا کہ " تم لوگ نہین سمجھتے کہ میرے اور اُس کوکا بھائی کے درمیان دودھ کا ایک دریا بہ رہا ہے جسکو چیرنا میرے لیے ناممکن ہے مین بھلا کیونکر اسپر عتاب کرسکتا ہون ؟ "

کیا اکبر دلی ہے ! آفرین !

اکبر اور اسکے کوکا نے ایک ہی راجپوت مان کا دُودھ پیا تھا -

کیا ہندو اور مسلمان ایک ہی مان ہندوستان کا دُودھ نہین پی رہے ہین ؟
پچھلی شکایتین بھولجاؤ - گلے غصے سب معاف - روٹھے یار منالئے گئے -

گر ز دستِ زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت
ور ز ہندوے شما بر ما جفائے رفت رفت

گر دلے از غمزۂ دلدار بارے بُرد بُرد
درمیانِ جان و جانان ماجرائے رفت رفت

تارے کب روشنی سے نیارے ہین
تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہین

اے عدو وا اینٹھنے۔ بگڑ۔ تن لے
سخت کہدے کہ سست ہی کہد

جوش غصہ نکال لے دل سے
طاقت طیش آزما تو لے

مجھے بھی ان تری باتون سے روک تھام نہین
جگر مین دھام نہ کرلون تو رام نام نہین

رام

اقوال اکبر

(۱) عقل پژوہی کی خوبی اور تقلید کی بُرائی اس سے ظاہر ہے کہ اگر تقلید کوئی عمدہ چیز ہوتی تو پیمبر اپنے باپ دادا کی تقلید کیون نہ کرتے۔

(۲) پہلے مین غیر مذہب والونکو زبردستی اپنے مذہب مین لاتا تھا۔ مگر جب مجھے زیادہ آگہی ہوئی نادم ہوا کہ یہ کیسا ناسزا کام ہے کہ خود مسلمان نہونا اور دوسرونکو مسلمان بنانا۔ جو کام زور سے ہو وہ دینداری کا نہین ہوتا۔

(۳) ہمکو ساری آفرینش کے ساتھ آشتی رہنا چاہیے۔ جو خدا کی رضامندی کی راہ پر چلتے ہین اُنسے کینہ و پرخاش ناستودہ ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہین کرتے تو بیمارِ نادانی ہین۔ اِنپر مہربانی چاہیے۔

(۴) کرگس درازعمر اور باز کم عمر اس سبب سے ہوتا ہو کہ پہلا کسی جانور کو نہین کھاتا اور دوسرا کھاتا ہے جب باز کو جسکی غذا سوائے جانور کے نہین ہو یہ سزا ملی ہو تو آدمی کو کیون نہ زیادہ سزا ملیگی۔ کیونکہ اُسکے لیے گوشت کے علاوہ اور بہت سی غذائین موجود ہین۔ ایک شاعر بھی کہتا ہے:—

شنیدہ ام کہ بہ قصاب گوسپندے گفت
دران زمان کہ سرش را بہ تیغ تیز برید

سزائے ہر خس و خارے کہ خوردہ ام دیدم
کسیکہ پہلوئے چربم خورد چہ خواہد دید

(۵) جب آدمی کی عقل روشن ہوتی ہو تو وہ جانتا ہو کہ جس چیز کو مین اپنی مِلک سمجھتا تھا وہ غائب ہو۔

(۶) کلمۂ حق وہ ہو کہ کان مین پہونچتے ہی دلنشین ہوجائے اور سوائے قبول کرنیکے اور کوئی چارہ ہی نہو۔

موتی مسجد (قلعہ آگرہ)

قصر جودھا بائی (قلعہ آگرہ)
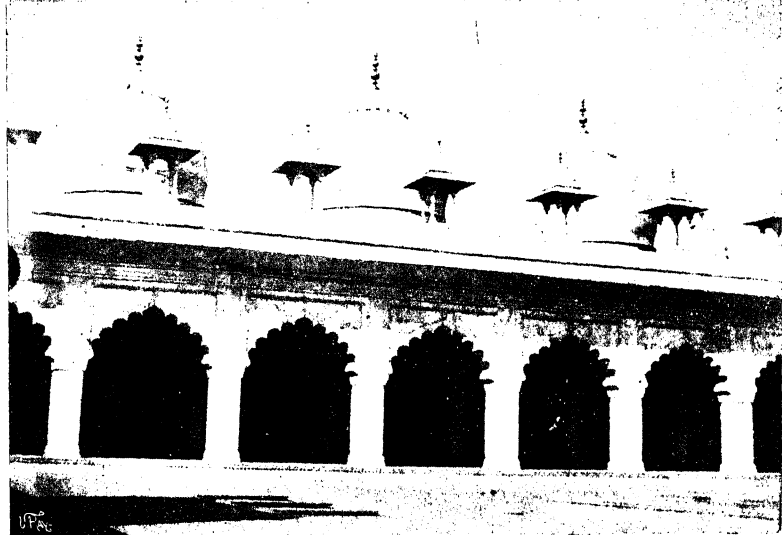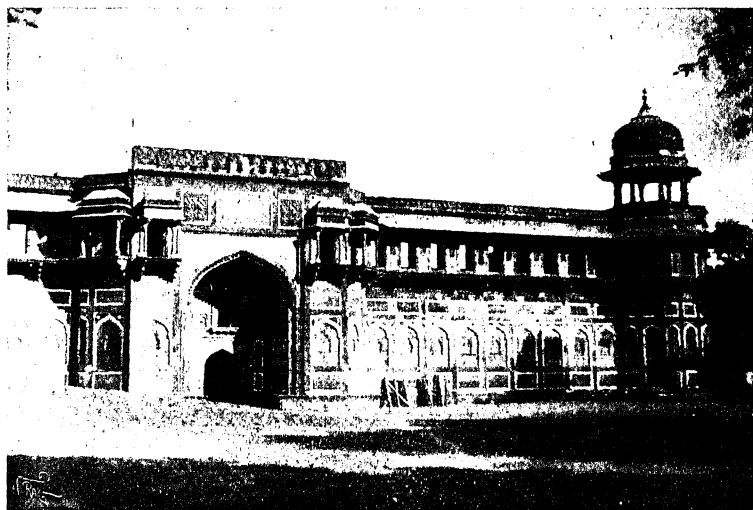
اے خالقِ اکبر چمنِ نظم ہرا کر — اے مبدءِ فیاض نیا رنگ عطا کر
اے ربِ صمد بابِ کرم ملک پہ وا کر — ہر قوم کو اس قیدِ تعصب سے رہا کر
ہندو و مسلمان کا ہو دُنیا مین چمن ایک
دل ایک زبان ایک سخن ایک چلن ایک

تجھسے ہی زمانہ کو ملا دَورِ تسلسل — ہر ذرہ ترے حکم مین ہی جزو سے تا کُل
یہ شان یہ سطوت یہ شکوہ اور تجمل — یہ فقر یہ فاقہ یہ نیاز اور توکل
یہ عیش یہ عشرت یہ غم و درد یہ ارمان
گلزار کے سب تیرے ہین خار و گل و ریحان

اللہ (عربی) الوہیم (عبرانی) خدا (فارسی) گاڈ (انگریزی) نراکار (سنسکرت) — سب نام ہین کرتے تری توحید کا اظہار
ہی فرق زبانون کا کسی کو نہین انکار — مفہوم ہی ایک اِنکا عبث کی ہی یہ تکرار
اک چیز کو دو کرتے ہین کیسا یہ غضب ہی
یہ عقل نرالی ہے یہ انداز عجب ہی

گزرے ہین جو ہر قوم مین ہادی و پیمبر — وہ دلشکنی ایک کی کرتے نہ تھے تکفیر
غیرون کی بُرائی کے نہ ہوتے کبھی خوگر — کرتے تھے نقوش اپنی صداقت کے دلون پر
رکھتے تھے سروکار وہ توحید خدا سے
معمور رہا کرتے تھے دل صدق و صفا سے

تہذیب کا ہوتے تھے نمونہ وہ سراپا — تعریف کے وہ مستحق عام ہین ہر جا
نیت کا خلوص اُنکی زبانون سے ہویدا — کیا دخل بُرے لفظ جو نکلین کبھی حاشا
وہ غیرونکو خوش رکھتے حلاوت سے زبان کی

رکھتی نہ تھی تاثیر زبان تیروستان کی

دیکھو تو ذرا بوڈہ کے باتونکی حلاوت | کیا طرز ہے کیا رنگ ہے کیا شانِ حقیقت
اغیار بھی دین داد وہ معقول عبارت | دشمن بھی بنے دوست وہ تھا حاصل نیت

انداز تکلم یہ بیان نارکستان ہے
مصری کی ڈلی کوزے مین یا منہ مین زبان ہے

سمجھو تو منوجی کا ہے کیا طرز تکلم | آجاۓ جو پڑھتے ہی مسرت سے تبسم
باتین ہین کہ گلشن مین عنادل کا ترنم | تقریر وہ شایستہ کہ سنتے ہی رہو تم

اک تم ہو جو پیاسون کے جلا دیتے ہو دل کو
بیفائدہ باتون سے دکھا دیتے ہو دل کو

شمس العلما ہین جو نذیر احمد و شبلی | ہین شاہ سلیمان جو بڑے صوفی صافی
وہ رام جو ایم اے سی ہین اب ملک مین نامی | ان سبکے ہین اقوال مین کیا لطف اضافی

دیکھو تو ہے ہر ایک کا منشا و کمال ایک
دل ایک زبان ایک خیال ایک مقال ایک

اخلاق کے سب ایک ہین اوصاف و مفاخر | تہذیب ہے یکسان ادب آموز مظاہر
آداب عموماً ہین شرف بخش مناظر | کرتا ہے ادب عام کو آداب کا ماہر

پھر کسلیے باتون سے عیان دل شکنی ہو
یاقوت کی جا کس لیے ہیرے کی کنی ہو

دو بہرے تھے یون دوسرے سے ایک نے پوچھا | بتلاؤ برادر ہے مزاج آپ کا کیسا
کہنے لگا بازار سے بینگن تھا مین لایا | اُسنے کہا بچے ترے اچھے ہین یہ بتلا

کہنے لگا کل بھون کے سب کھالیے مین نے
بھرتا تھا کیا خوب مزے پالیے مین نے

ایسے ہی یہ ہین آریہ اور مولوی ملّا | قرآن کو یہ وید کو وہ سمجھین نہ اصلا
بہرون کی طرح ہوتے ہین آپسمین یہ گویا | گونگون کیطرح انسے اشارات ہون پیدا

یہ وید کے ماہر نہ وہ قرآن کے شناسا
دو گونگون کا گڑ انکی ہے تقریر کا منشا

ممکن نہیں جاہل کبھی عالم کا ہو ہمسر — جو نام کا پنڈت ہے بنے وہ نہ دستر

اظہار تعصب سے نہ ہو فتح میسر — ہو نام کے رکھنے سے مظفر نہ مظفر

جو خار چبھا دل میں ہو نکلے نہ سنان سے

پاسی کبھی ارجن نہ بنے تیر و کمان سے

ہیں آج جو ہادی یہ ہیں اک آفتِ محشر — باتیں ہیں کہ چھریاں ہیں یہ باتیں ہیں کہ خنجر

باتوں میں بھرا زہر ہلاہل ہے سراسر — ہے نوش کی جا نیش جو کھٹکا کرے دلپر

جو انکی طرف آئے اُسے تیر لگائیں

پاتا ہو ہدایت تو یہ گمراہ بنائیں

صد شکر ہوا اپنے موافق ہی زمانہ — اُلجھی ہوئی زلفوں میں کیا اُسنے ہی شانہ

اُسنے کیا اکبر کا ہی آغاز فسانہ — تالیف کو تصنیف کا اچھا ہے بہانہ

اوراقِ زمانہ پہ جو یہ نقش کہن ہے

ہندو و مسلمان کی محبت کا چمن ہے

رحلت کو ہوے اکبرِ ذیشان کی سہ صد سال — لیکن ابھی دُنیا میں وہ زندہ ہی باجلال

تاریخ سے اکبر کی عیاں صورتِ اقبال — تصویر سے شوکت کے نمایاں ہیں خط و خال

اب آگرہ دیتا ہے پتا نقش کہن کا

ہر برگ خزاں دیدہ میں ہی رنگ چمن کا

مقصود یہ اِسکا ہے کریں شکر گزاری — جسنے تھا کیا ہندوؤں کو پنجہزاری

دیکھو وہ نظر آتی ہے اکبر کی سواری — جسطرح رواں باغ میں ہو بادِ بہاری

ہندو ہیں خواصی میں مسلمان ہیں جلو میں

کچھ لوگ چپ و راس ہیں پھرتے تگ و دو میں

وہ دیکھ لو فیلانِ سیہ مست کا بادل — وہ ترکی و تازی کی نظر آتی ہی چل بل

اسپان صبا دم وہ سواری میں ہیں کوتل — وہ دیکھ لو ہر سمت پڑی شہر میں ہلچل

گلزار ہے جنگل اُمرا کے قدموں سے

کوسوں نظر آتا ہے نیستان علموں سے

وہ راجہ ٹوڈر مل دستورِ معظم — تا کابل و قندھار اُڑا جسکا ہی پرچم

وہ شوق سیاق اور وہ تحریر کا عالم وہ طرز سیاق اور وہ طغرائے مکرم
نیزے کا قلم ہاتھ میں تلوار کمر میں
دل کام میں کل ملک کا نقشہ تھا نظر میں

ہر ہندسہ کو اُس سے ملا فخر رقم کا مدّاحِ عرب دیکھیے اندازِ عجم کا
ایجاد سے ہر دام پہ سکّہ ہے درم کا مختار تھا بے شبہ وہ تلوار و قلم کا
باقی ہے ابھی یاد کہن اہل زمن میں
ہیں شاد[51] کے پاس اُسکی تصانیف دکن میں

ہاتھی کبھی اُسنے صفِ اعدا پہ بڑھایا گھوڑا کہیں اُسکا صفت شیر در آیا
جمنا کہیں اسوار کو گھوڑے پہ بتایا تلوار کا گنگا پہ کہیں گھاٹ دکھایا
ہر ہندسہ کو فخر تھا تحریر و رقم میں
رُکتا نہ تھا وہ معرکۂ تیغ و قلم میں

فیضی و ابوالفضل تھے وہ گوہر یکتا جو آپ نظیر اپنی تھے ثانی نہیں جنکا
علّامۂ عالم تھے وہ دونوں سخن آرا اک گھر میں ارسطو و فلاطون ہوئے پیدا
تسخیر کا ہر قوم کی رکھتے تھے عمل وہ
تھے آگرہ میں جعفر[52] و یحییٰ کا بدل وہ

اکبر کی تھی اِن دونوں نے وہ بات بڑھائی بندہ تھا مگر کر گیا دُنیا میں خدائی
تفسیر وہ لکھی جو کسی سے نہ بن آئی تاریخ میں اک شان تمدن کی دکھائی
فیضی نے تھا اعجاز فصاحت کا دکھایا
علّامی نے دریائے بلاغت تھا بہایا

عیسائی و زردشتی و ہندو و مسلمان اینک ہیں اُسی طرح سے اکبر کے ثناخوان
ہندو متصدی تھے وہی بخشی و دیوان ہر مذہب و ملت تھا چراغ تہِ دامان
اکبر کو تھا خورشید جہانتاب بنایا
تھا معجزہ دنیا کو خدائی کا دکھایا

---

[51] ہز اکسلنسی سر راجہ کشن پرشاد بہادر شاد مدار المہام حیدر آباد۔

[52] جعفر برمکی و یحییٰ برمکی وزرائے خلافت بغداد۔

یارب وہی پھر ملک مین چل جائین ہوائین ہندو و مسلمان کو جو پھر ایک بنائین
سوکھے ہوے پھولونکو نئے سر سے کھلائین گلزار محبت مین نیا رنگ جمائین
ملنے سے یہ بھاری ہون زمانے کی نظر مین
اک روح نئی پھونکدین ہر قلب و جگر مین

اشہری

رباعیات خانخانان

خواہم ز درت رسم مروت نگذاشت وان گرمیِ اختلاط و صحبت نگذاشت
اینہا ہمہ عذر است چہ پنہان از تو قربان سرت رسم محبت نگذاشت

در قصۂ عشق مرد ناگویا بہ اندیشۂ عشق و خون دل یکجا بہ
تا قدر وصال دوست ظاہر گردد ہمچون شب قدر وصل ناپیدا بہ

در راہ وفا نیازمندی چہ خوش است دل سوختگی و دردمندی چہ خوش است
زلف تو کہ دل شکارئے لاغر اوست از دل صیدی از و کمندی چہ خوش است

اے آتش سینہ شعلہ باری بس کن اے اشک نیاز دُر شماری بس کن
چون دادہ و نادادہ نہ امروز است داری بس کن و گر نہ داری بس کن

سرمایۂ عمر جاودانی غم تو بہتر ز ہزار شادمانی غم تو
گفتی کہ چنین والہ و شیدات کہ کرد دانی غم تو و گر ندانی غم تو

آنم کہ حیات خود بہ سائل دہمے گر سر طلبے بہ تیغ قاتل دہمے
از دست دل آنچنان بہ تنگم امروز گر خاک طلب کند ز من دل دہمے

دربار اکبر اعظم

آج ہے پیش نظر دربار اکبر کا سماں / ہے در و دیوار سے جبروت اور عظمت عیاں
تخت پر ہے بادشاہ جم حشم رونق فروز / غاشیہ بردار جسکے ہین خدیوان زمان
جسکے ہین شاہان عالی منزلت حلقہ بگوش / سجدہ گاہ انس و جان ہو آج جسکا آستان
جسکی ہیبت سے ہین لرزان رستم و افراسیاب / جسکے آگے سرنگون رہتا ہے ہردم آسمان
ہے یہ جسکی بارش ابر سخاوت کا اثر / رہتی ہین سرسبز اُمید و امل کی کھیتیان
جسکے عہد معدلت گستر مین ہین دلشاد سب / وقت ہین جسکے بنا ہندوستان جنت نشان
ہے نزاع مذہبی سے پاک جسکی سلطنت / رہتے ہین ہندو مسلمان جسمین با امن و امان
سارے درباری قرینے سے کھڑے ہین اُسکے گرد / جیسے تارے چاند کے پہلو مین ہون جلوہ کنان
ہین ابو الفضل ایک جانب تخت سے ملکر کھڑے / نورتن مین جنکی ہے بڑھ چڑھکے سب سے عز و شان
جنکے تن پر زیب دیتا ہو وزارت کا لباس / جنکے زیر حکم ہے اسوقت سب ہندوستان
دوسری جانب کھڑے ہین طوطی باغ سخن / فیضی جادو قلم جادو زبان جادو بیان
ہاتھ مین ہے بے نقط تفسیر بھی قرآن کی / ہے مفسر کی لیاقت جس سے ظاہر بیگمان
ہین حکیم فتح گیلانی بھی حاضر دیکھنا / جنکی حکمت کا ہے قائل آجکل سارا جہان
فی زمانہ جو حذاقت مین ہین جالینوس عہد / جو ارسطوے زمن ہین اور فلاطون زمان
راجہ ٹوڈرمل بھی ہین موجود اس دربار مین / کر رہے ہین غور کچھ۔ ہو انکی صورت سے عیان
ہاتھ مین کاغذ لیے ہین کان پر ہے اک قلم / ہان مگر سلجھا رہے ہین کچھ حسابی گتھیان
وہ کھڑے ہین دست بستہ دیکھو راجہ مان سنگھ / مانتے ہین جنکا لوہا سارے یل اور پہلوان
دھاک ہے بیٹھی ہوئی جنکی شجاعت کی تمام / ہے روان تلوار جنکی صورت آب روان
اُنکے پہلو مین کھڑے ہین دیکھنا وہ بیربر / ہین لطیفے جنکے سب لوگونکو قوت جسم و جان

وہ ہین ملّا دو پیازہ سامنے اُنکے ڈٹے ‏ ‏ ‏ چل رہے ہین وار بس سیف زبان کے درمیان
اُنکی یہ پُرلطف باتین کر رہی ہین سبکو خوش ‏ ‏ ‏ نقل محفل بنگئی ہین اُنکی بذلہ سنجیان
خان اعظم ہین کھڑے اپنی جگہہ پر باادب ‏ ‏ ‏ خاص کر ہے جن پہ شاہنشاہ اکبر مہربان
ہین کھڑے عبدالرحیم خانخانان اک طرف ‏ ‏ ‏ معترف بذل و سخاوت کا ہے جنکی اک جہان
الغرض دربار مین ہے مجمع اہلِ کمال ‏ ‏ ‏ ہر طرح کے ذی ہنر موجود و حاضر ہین یہان
ایک گلدستہ ہے پھولون کا۔ نہین دربار یہ ‏ ‏ ‏ جس سے ہے گلہاے رنگا رنگ کا جلوہ عیان
یاد آیا میکہ اِن پھولون سے تھا آباد باغ ‏ ‏ ‏ یاد آیا میکہ تھے یہ پھول زیبِ گلستان
یاد آیا میکہ اِن پھولونکے عاشق تھے ہزار ‏ ‏ ‏ اور انپر کرتی تھی قربان، بلبل اپنی جان
یاد آیا میکہ اِن پھولونسے ہر دم ہر گھڑی ‏ ‏ ‏ کرتی تھی آ آکے گلشن مین صبا اٹھکھیلیان
یاد آیا میکہ اِن پھولون کی رنگ و بو سے تھا ‏ ‏ ‏ غیرتِ باغ جنان یہ گلشنِ ہندوستان

اب کہان وہ باغ اور وہ باغ کی دلکش فضا
اب کہان وہ پھول اور پھولونکی وہ رنگینیان

سید محمد فاروق

ہمارا دیس

سارے جہان سے اچھا ہندوستان ہمارا ‏ ‏ ‏ ہم بُلبُلین ہین اسکی یہ گلستان ہمارا
غربت مین ہون اگر ہم رہتا ہو دل وطن مین ‏ ‏ ‏ سمجھو وہین ہمین بھی دل ہو جہان ہمارا
مذہب نہین سکھاتا آپس مین بیر رکھنا ‏ ‏ ‏ ہندی ہین ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسمان کا ‏ ‏ ‏ وہ سنتری ہمارا وہ پاسبان ہمارا
گودی مین کھیلتی ہین جسکی۔ ہزارون ندیان ‏ ‏ ‏ گلشن ہے جسکے دم سے رشکِ جنان ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجکو ‏ ‏ ‏ اُترا ترے کنارے جب کاروان ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹگئے جہان سے ‏ ‏ ‏ ابتک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہین ہماری ‏ ‏ ‏ صدیون سے آسمان ہے نامہربان ہمارا
اقبال کوئی محرم اپنا نہین جہان مین ‏ ‏ ‏ معلوم کیا کسی کو دردِ نہان ہمارا

زمانہ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء

اقبال

رویائی اکبر

اکبر اور ابوالفضل

ابوالفضل "کیون ہوائی چھوٹتی شہ کی رُخِ روشن پہ ہی — اشکِ گلگون سی شفق پھولی ہوئی دامن پہ ہی

دل ہی جولان گاہِ رقصِ شعلۂ بیتاب کیون — آہ! آتش زیرِ پا ہے آج یہ سیماب کیون

ارغوانی رنگ ہی کیون دیدۂ بیخواب کا — چشمِ پر خون مین ہی کیون عالم گلِ شاداب کا

کچھ تو ہو ارشاد۔ لب پر مُہرِ خاموشی ہی کیون

چشمِ حیران آہ! محوِ آئینہ پوشی ہی کیون؟"

اکبر "سرگزشتِ سوزِ غمہائے نہانی کیا کہون — تجھ سے اے دلسوز! مین غم کی کہانی کیا کہون

ہون سراپا آہ! تصویرِ حدیثِ درد و غم — ترجمانِ دل ہی۔ تفسیرِ حدیثِ درد و غم

دیکھیئے ہو جانشینونکا مرے انجام کیا — رنگ میرے بعد لائے چرخِ نیلی فام کیا

طرۂ شاہانہ کس کے فرق پر ہو دیکھیے — کس کے قبضے مین میری تیغِ ظفر ہو دیکھیے

میری عظمت کا نشان زیرِ زمین ٹھنڈا نہو

سرفگندہ خاک پر یارب مرا جھنڈا نہو

میری نسلین وارثِ تخت و نگین ہون میری بعد — میرے پیرو آہ! میری جانشین ہون میری بعد

سر پہ یارب غیر کے تاجِ جہانداری نہو — میرے گلشن مین ہوائے چرخِ زنگاری نہو

مین نے سینچا ہی انھین خونِ جگر سی آسمان — میرے پھولون کو نہ پہونچے آہ! آسیبِ خزان

دیکھیے ہوتی ہی میرے خواب کی تعبیر کیا — میری نسلون کو دکھائے گردشِ تقدیر کیا

کیا کیون دیکھا ہی وحشتناک مین نے خواب کیا

چارہ گر اب ذکرِ تسکینِ دلِ بیتاب کیا

دیکھتا کیا ہون کہ تجھ کو آہ! غمخوارِ قدیم — دیکھتا ہی قہر آلودہ نگاہون سے سلیم

تو نے گویا بھر کے جامِ کفر مین اے غمگسار — شرک کی مجھکو پلا دی ہی مئے ناخوشگوار

پھر دکھایا طرفہ نیرنگِ فسون تقدیر نے — کھینچدی تصویرِ بختِ واژگون تقدیر نے

اُٹھ گئی جو ایک جانب چشم نظارہ پسند ایک پتھر پر کیا تعمیر اک قصرِ بلند

یہ وہ معبد تھا کہ جس مین رسم طاعت تھی جُدا مسجد و بتخانہ سے شان عمارت تھی جُدا

مسکنِ عدل و محبت تھا یہ کاخ دلنشین راستی و امن تھے گویا اسی گھر کے مکین

وادرِ عفو و کرم تھے خلق پر لیل و نہار جھونکے آتے تھے نسیم خلد کے بے اختیار

دیکھ کر اس قصر عالیشان کو اے نکتہ دان! ہو رہا تھا دل مین خوش اور تو تھا شادمان

اک طرف سے ناگہان آئی صدائے قہقہہ جس طرح بے ساختہ کوئی لگائے قہقہہ

پھر کیا پیدا طلسم خواب نے سامان نیا یعنی چلا کر کسی نے یہ کہا "قرآن" نیا

پھر نظر آیا عجب نظارۂ وحشت اثر گر پڑا تو ہو کے مردہ یعنی فرش خاک پر

میرا مرغ روح بھی پھر کھا کے چنگال اجل ہو گیا مغلوب شاہینِ قوی بال اجل

تھے مگر محوِ تماشا دیدۂ عبرت نگر کیونکہ بعد مرگ بھی ہر ہستی سمع و بصر

تھا ابھی پیش نظر جو آہ! قصر استوا
جانشینون نے مرے وہ ڈھا دیا انجام کا

اب وہ گھر تھا نہ وہ کاشانۂ راحت فزا ٹوٹے پھوٹے سامنے تھی کچھ کھنڈر عبرت فزا

اُٹھ رہا تھا جنسے مظلومونکی آہونکا دھوان جنمین پیوند زمین تھے آہ! لاکھون خستہ جان

اب نہ تھے عدل و محبت آہ! اس گھر کے مکین تھی کسی اُجڑی ہوئی منزل مین ویرانہ نشین

نقش عبرت اب مری اُجڑی ہوئی تعمیر تھی عظمت دیرینہ کی مٹتی ہوئی تصویر تھی

جی بھر آیا یہ طلسم رنگ عبرت دیکھکر انقلاب آسمانِ بیمروت دیکھ کر

ناگہان مغرب سے اک بیگانہ قوم اے نکتہ سنج عدل گستر، خلق پرور، کس مرنجان کس مرنج

آئی اور آکر ہوئی مصروف تعمیر مکان کھنچ گئی پھر ہو بہو آنکھون مین تصویر مکان

راستی و امن و انصاف و محبت ہمنشین! آکے پھر اس قصر دلکش مین ہوئے مسکن گزین

اب نہ مظلومونکی چیخون سے یہ گھر تھا گونجتا لحن آزادی سے اک اک بام و در تھا گونجتا

اب نہ تھی بیوونکی آہونکی سیہ خانون مین آگ اب نہ ستیونکی چتاؤنکی تھی میدانون مین آگ

مین نے کھایا مدتون جسکے لیے خون جگر
ہو گئی تکمیل اُس مقصد کی قصہ مختصر"

(سرور جہان آبادی)

اکبر نہین دُنیا مین مگر نام ہے اُسکا — اعزاز وہی ہے وہی اکرام ہے اُسکا
جنّت محل راحت و آرام ہے اُسکا — پر ذکر زبان پر سحر و شام ہے اُسکا

ایسا کوئی شہ صاحب اجلال نہ گذرا
ذی رتبہ و ذیجاہ و خوش اقبال نہ گذرا

آئین و قوانین کو جو پیدا کیا اُسنے — آرام رعیت کا مہیا کیا اُسنے
تھا غنچۂ دل تنگ شگفتا کیا اُسنے — کیا کیا چمن ہند کو تازا کیا اُسنے

تھا اُسکے زمانے مین عجب رنگ ہوا کا
غنچون کو مبارک تھا قدم بادِ صبا کا

انصاف کی تھی اُسکے زمانے مین ترقی — ہر خاطرِ محزون کو وہ دیتا تھا تسلّی
اُسنے شجرِ ظلم کی جو بیخ کنی کی — صورت نہ رعایا نے کبھی رنج کی دیکھی

ہر شخص جہان مین یہ دُعا دیتا تھا اُسکو
تا حشر خدایا اُسے آباد تو رکھیو

تھی عقل رسا ذہن خداداد تھا اُسکا — راحت تھی رعیت کو تو دل شاد تھا اُسکا
تھا رشک چمن مُلک وہ آباد تھا اُسکا — اقبال بھی اِک بندۂ آزاد تھا اُسکا

مخلوق کا آرام اُسے مدِ نظر تھا
ہر دل مین نہان اُسکی محبّت کا اثر تھا

تھا نسل سے تیمور کی یہ سرورِ عادل — گذرا نہ شہنشاہون مین ایسا کوئی عاقل
تھے ملکی و مالی کے طریقے اُسے حاصل — تھا رزم مین اور بزم مین وہ لائق و قابل

ہمعصر سلاطین سے فائق تھا جہان مین

دُنیا کے وہ ہر شاہ سے لائق تھا جہانمین

وہ چشمہ رحمت کا تھا اِک گوہر یکتا اللہ نے کیا کیا نہین رُتبہ اُسے بخشا
مدّاح ہوا اُسکا وہ جسنے اُسے دیکھا فیاض بھی شاہون مین نہ ہوگا کوئی ایسا

اِک نور کی تصویر سراپا تھا اُسی کا
جو حسن مین بیمثل تھا نقشا تھا اُسی کا

ہندو سے محبت تھی مسلمان سے بھی اُلفت تھا دُور تعصب سے وہ ذی فہم نہایت
ہر شخص تھا اُس شاہ کا مشکور عنایت دُنیا مین وہ مظلوم کی کرتا تھا حمایت

سب اُس سے رضامند تھے دربار مین اُسکے
تنخواہ تھی لاکھون کی ہزارون کے وظیفے

فیضی و ابوالفضل سے اُسکے وزرا تھے جو صاحب علم و عمل و زہد و ذکا تھے
وہ شاہ تھا یہ رونق دربار سدا تھے کیا منتخب عصر یہ خاصان خدا تھے

تھا اُسکے سبب حوصلہ ہر اک کا کشادہ
اِس وجہ سے ہوتے تھے فتوحات زیادہ

تھا رحمدل و صاحب اخلاق و مروّت تھی بیربل اور خسرو ذی فہم سے اُلفت
رہتا تھا وہ اِن لوگون سے مانوس نہایت تھی طبع کو مرغوب بہت اُنکی ظرافت

کرتا تھا بہت قدر وہ ہر اہل ہنر کی
کیا اُسنے نکونامی سے دُنیا مین بسر کی

آسان کانپوری

وہ لطف اب ہندو و مسلمان مین کہان اغیار اُن پر گذرتے ہین خندہ زنان
جھگڑا کبھی گائے کا زبان کی کبھی بحث ہے سخت مضر یہ نسخہ گاؤ زبان

کہتا ہون ہندو و مسلمان سے یہی اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر- پانی بنجاؤ موجون کی طرح لڑو مگر ایک رہو

زمانہ جون ۱۹۰۴ء اکبر

مرقع عبرت*

ہان نور ازل جلوۂ گفتار دکھادے
ہان شمع زبان مطلعِ انوار دکھادے
ہان طبع روان قلزمِ زخار دکھادے
ہان رنگِ سخن گلشنِ بیخار دکھادے
گلزار معانی کا مہکتا نظر آئے
طوطی چمنستان مین چہکتا نظر آئے

ہو حسن بیان مین چمنستان کا تجمل
ہر نکتۂ رنگین نظر آئے صفتِ گل
ہر معنئ پیچیدہ بنے طرۂ سنبل
عاشق ہون سخن پر جو سُنین صوتِ بلبل
جو شعر ہو طوبےٰ کا وہ ثانی نظر آئے
کوثر کی طبیعت مین روانی نظر آئے

ہان طبع رسا خاطرِ احباب ہو منظور
بس شرم کا برقع رخِ معنی سے ہو اب دور
دکھلادے سرِ بزم تجلّی سرِ طور
غش صورتِ موسیٰ ہون جو سُن پائین یہ کور
منکر جو ہین فرعون صفت اعجاز سخن کے
ہون آج وہ قائل مرے اندازِ سخن کے

ہان طعنہ و تشنیع کی پروا نہین مجکو
تحسین و ستائش کی تمنّا نہین مجکو
نیرنگئ افلاک کا شکوا نہین مجکو
کچھ فکر ہو شہرت کی یہ سودا نہین مجکو
ڈوبا ہوا ہون مثل سخن رنگ سخن مین
گُل ہو کے مین رہتا ہون لطافت کے چمن مین

---

* یہ نظم کشمیری کانفرنس کے لیے تصنیف ہوئی تھی لیکن جلسۂ مذکور مین نہ پڑھی جا سکی۔ گو یہ نظم ایک خاص فرقے سے تعلق رکھتی ہے لیکن جس اخلاقی تنزل کی تصویر اسمین کھینچی گئی ہے وہ ہر فرقہ و ملّت کے لیے یکسان عبرتناک ہے۔ ایڈیٹر

اس وقت تک اب ہوش بھی پورا نہیں زنہار — سرمست مجھے رکھتی ہے جب سے مئے اشعار
لیکن نہیں کچھ مجھکو تعلی سے سروکار — ہے میری خموشی پہ فدا عالم گفتار
اس مے نے کچھ ایسا مجھے مدہوش کیا ہے
خود اپنے تئیں میں نے فراموش کیا ہے

عالم سے جدا ہے مری تقریر کا عالم — بدبینوں پہ حیرت سے ہے تصویر کا عالم
رنگین سخنی سے ہے یہ تحریر کا عالم — ہر صفحہ پہ ہے گلشن کشمیر کا عالم
کیفیت گلزار سمائی ہے نظر میں
اس خطۂ دلکش کا ہے سودا مرے سر میں

محتاج نہیں وصف کا یہ خطۂ دلگیر — ہے رو کش گلزار جنان گلشن کشمیر
فردوس بریں اسکی ہے بگڑی ہوئی تصویر — وان موج ہوا میں دم عیسی کی ہے تاثیر
ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید
گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

پانی میں ہے چشموں کے اثر آب بقا کا — ہر نخل پہ عالم خضر سبز قبا کا
جو نار ہے گلشن میں وہ ہے نور خدا کا — سایہ میں شجر کے ہے اثر ظل ہما کا
مبدا کرم عام کی ہر جوئے روان ہے
ہر چشمۂ فیض چمن آرائے جہان ہے

وہ موج ہوا کا حرکت ابر کو دینا — چشموں سے پہاڑوں کے وہ اترا ہوا پینا
گاتے ہوئے ملاحوں کا وہ کشتیاں کھینا — دل کا وہ سر شام ادھر کو وہیں لینا
وہ عکس چراغوں کا جھلکتا نظر آنا
پانی کا ستارہ بھی چمکتا نظر آنا

ہر لالہ کہسار ہے شکل گل راحت — داغ اسکے ہیں خال رخ حورائے مسرت
کیا سبزۂ خوش رنگ ہے سرمایۂ عشرت — دل کے لیے ٹھنڈک ہے جگر کیلیے فرحت
ایسا نہیں قدرت نے کیا فرش کہیں پر
اس رنگ کا سبزہ ہی نہیں روئے زمیں پر

ع ۵۔ ایک جھیل کا نام ہے ۱۲

وہ صبح کو کہسار کے پھولون کا مہکنا وہ جھاڑیون کی آڑ مین چڑیون کا چہکنا
گردون پہ شفق کوہ پہ لالے کا لہکنا مستون کی طرح ابر کے ٹکڑون کا بہکنا

ہر پھول کی جنبش سے عیان ناز پری کا
چلنا وہ دبے پاؤن نسیمِ سحری کا

وہ طائر کہسار لب چشمۂ کہسار وہ سرد ہوا وہ کرمِ ابر گہر بار
وہ میوۂ خوش رنگ وہ سرسبز چمن زار اک آن مین صحت ہو جو برسون کا ہو بیمار

یہ باغ وطن روکش گلزار جنان ہے
سرمایۂ نازِ چمن آرائے جہان ہے

ہے خطۂ سرسبز مین اک نور کا عالم ہر شاخ و شجر پر شجر طور کا عالم
پروین ہے یہ ہے خوشۂ انگور کا عالم ہر خار یہ بھی ہے مژۂ حور کا عالم

نکلے نہ صدا ایسی مغنّی کے گلو سے
آتی ہے جو آوازِ ترنم لبِ جو سے

میوون سے گرانبار وہ اشجار کے ڈالے بکھرے ہوے وہ دامنِ کہسار پہ لالے
اڑتے ہوے بالائے ہوا برف کے جھالے دیکھے جو کوئی دور سے ہین روئی کے گالے

وہ ابر کے لکّون کا تماشا شجرون مین
جھرنون کی صدائین وہ پہاڑونکے درون مین

چھوٹے ہوے اِس باغ کو گذرا ہے زمانا تازہ ہے مگر اسکی محبت کا منانا
عالم نے شرف جنکی بزرگی کا ہے مانا اٹھے تھے اسی خاک سے وہ عالم و دانا

تن جنکا ہے پیوندِ اِس پاک زمین کا
رگ رگ مین ہماری ہے روان خون انھین کا

ہان مین بھی ہون بلبل اسی شاداب چمن کا ہے چشمۂ فردوس یہ عالم ہے دہن کا
کس طرح نہ سرسبز ہو گلزار سخن کا ہے رنگ طبیعت مین چمن زارِ وطن کا

تازے ہین مضامین بھی طبیعت بھی ہری ہے
ہان گلشنِ قومی کی ہوا سر مین بھری ہے

ہے لب پہ مرے الفتِ قومی کا ترانہ آئینہ ہے کیفیتِ نیرنگِ زمانہ

ہان گوش حقیقت سے سُنین عاقل و دانا تقدیر کی گردش کا یہ پُر درد فسانہ
کِس اوج سے اِس قوم کا کیا حال ہوا ہی
کِس طرح سے گلشن مرا پامال ہوا ہی

خاموش تھا جو لب وہی سرگرم فغان ہی جو آگ تھی سینے مین نہان آج عیان ہی
بسمل کی طرح خاطر ناشاد تپان ہے ہر مدِ نفس صورتِ شمشیر روان ہی
لختے بر داز من گذرد ہر کہ زپیشم
من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

ہی قوم پہ چھایا ہوا یہ ابرِ نحوست نظرون سے ہے پنہان رخ خورشید سعادت
میدان ترقی سے قدم کرتے ہین رجعت سایے کی طرح ساتھ ہی ادبار کی صورت
وہ بارِ الم ہے کہ اُٹھایا نہین جاتا
بگڑا ہے وہ نقشہ کہ بنایا نہین جاتا

پیرون مین نہین روشنیِ چشم بصیرت عنقا ہے جوانون مین جوانمردی و ہمت
گمراہ ہوے جاتے ہین خود خضر طریقت ہر صفحۂ دل سے ہے مٹا حرف محبت
باقی ہے کہان نام و نشان مہر و وفا کا
کچھ رنگ ہی بدلا نظر آتا ہے ہوا کا

موجود ہے جن بازوٗن مین زورِ جوانی طوفان سے انھین کشتیِ قومی ہے بچانی
پر ہے مے غفلت سے سرِ و نمین یہ گرانی آرام پسندی مین یہ رکھتے نہین ثانی
پہلو مین کسی کے دل دیوانہ نہین ہے
ہین مرد مگر ہمتِ مردانہ نہین ہے

تعبیرت نہین دیتا انھین نیرنگ زمانہ عمر انکی فقط لہو لعب کا ہے فسانہ
تعلیم کہان اور کہان صحبت دانا بس پیش نظر رہتا ہے آئینہ و شانہ
گہ رُخ پہ گہے موے پریشان پہ نظر ہے
اک شغل یہی انکے لیے شام و سحر ہے

مِٹّی مین یہ قدرت کہ عطیّے ہین ملاتے کچھ نشو و نما جوہرِ ذاتی نہین پاتے
عزت جو بزرگون کی ہی وہ بھی ہین مٹاتے بازارون مین دولت ہین جوانی کی لٹاتے

کاشانۂ تہذیب سنورتا نہیں دم بھر
وہ نشہ چڑھا ہے کہ اترتا نہیں دم بھر

پاسِ ادب و حسنِ لیاقت نہیں رکھتے — پاکیزہ و پُرجوش طبیعت نہیں رکھتے
آنکھوں کے لیے سرمۂ عبرت نہیں رکھتے — دل رکھتے ہیں پر دردِ محبت نہیں رکھتے

کیا غم چمنِ قوم ہے ویران کہ ہرا ہے
نخوت کی ہوا سے سرِ شوریدہ بھرا ہے

ہمت نہیں لیکن دلِ پُرجوش پہ نازاں — بے ہوش و خرد ہیں [illegible] پہ نازاں
بدشکل ہیں پر چشم و لب و گوش پہ نازاں — کم ظرف کوئی اپنے تن و توش پہ نازاں

نیرنگیِ افلاک کا ڈر انکو نہیں ہے
فرعون ہیں موسیٰ کی خبر انکو نہیں ہے

مفلس ہیں مگر جیسے امیروں سے سوا ہیں — اچھے یہ اسیرِ قفسِ حرص و ہوا ہیں
ناموس کے طالب ہیں نہ پابندِ حیا ہیں — بے غیرت و بے شرم [illegible] پہ فدا ہیں

پروا نہیں مانگے کا اگر جامۂ تن ہے
سودا ہے تو یہ ہے کہ وہ [illegible] ہے

خود شانِ ریاست میں ہوئے جاتے ہیں برباد — گو چہرۂ کلفت میں گڑھے ہیں [illegible]
دیکھے نہ سنے خلق میں اس طرح کے آزاد — کیا باعثِ عبرت ہوا انکین قوم کی فریاد

جو شرم سے میلے نہ ہوں تیور ہیں یہ انکے
دل رکھتے ہیں فولاد کا جوہر ہیں یہ انکے

بس نفس پرستی کو سمجھتے ہیں یہ راحت — حصے میں نہیں انکے جوانی کی لطافت
وہ جوہرِ عالی ہے نہ وہ حسنِ لیاقت — جس سے کہ ہے باقی یہ پروازِ طبیعت

آتا ہے نظر اور سماں ارض و سما میں
اُڑتا ہے بشر عالمِ بالا کی ہوا میں

رگ رگ میں وہ بجلی کی طرح خون کی روانی — ہر موئے بدن جس سے رگِ جان کا ہو ثانی
اللہ رے بہارِ چمنستانِ جوانی — چلتی نہیں بھولے سے یہاں بادِ خزانی

تعریف ہو کیا اس چمنستان کے ثمر کی

کانٹے میں بھی جسکے ہے نزاکت گلِ ترکی

لیکن نہیں یہ تازہ ثمر اُن کو میسر تعریف میں جسکی ہے فرشتوں کی زبان تر
گو باغ جوانی کی ہوا کے ہیں یہ خوگر پھولوں سے نہیں اسکے دماغ انکا معطر

درپیش انھیں عالمِ غربت ہے وطن میں
بیگانہ ہیں سبزے کی طرح رہکے چمن میں

جو صاحبِ تہذیب ہیں اور صاحبِ جوہر اُن میں بھی نہیں قوم کا ہمدرد میسر
ہے سر میں ہوا حرص کی دل میں ہوسِ زر دنیا کے ہیں عاشق جو ہیں قوم کے رہبر

بس زر کی پرستش انھیں فرضِ ازلی ہے
جنت بھی یہی ہے جو خدا ہے تو یہی ہے

مانا سببِ شوکت و اجلال ہو دولت پر مفلس بیکس بھی نہیں قابلِ نفرت
ادنیٰ سے ملے جھک کے یہ اعلیٰ کی ہے عظمت ہیں اشرف زر سے نہ جھکے چشمِ مروت

ہے کبر اسے شانِ امارت نہیں کہتے
کچھ کہیے اسے حسنِ شرافت نہیں کہتے

کس اوج پہ خورشیدِ جہانتاب ہے پُر نور دل تیرگی شب سے کوسوں ہے مگر دور
گو خاک نہیں ذرۂ ناچیز کا مقدور دیتا ہے اسے جام سے اپنے وہ مئے نور

یا ماہ کا اس اوج پہ کیا فیض عیان ہے
ہر خانۂ مفلس کے لیے شمعِ مکان ہے

یا باغ میں کھلتا ہے دمِ صبح گلِ تر کیا کیا اسے ہوتے نہیں اعزاز میسر
بنتا ہے عروسانِ جہان کے لیے زیور دستار میں نوشہ کی رہا کرتا ہے اکثر

لیکن نہ کسی وضع پہ اس ڈھنگ سے دیکھا
بیکس کی لحد پر اسے بیرنگ نہ دیکھا

دنیا میں جنھیں رتبۂ عالی ہے میسر بیکس کی وہ امداد کیا کرتے ہیں اکثر
یاں قوم میں حاصل ہے جنھیں اوجِ فزون تر وہ شوخیِ تقدیر سے دل رکھتے ہیں پتھر

ہمدرد ہوں غیروں کے یہ عادت نہیں انکی
تکلیف سہے جو وہ طبیعت نہیں انکی

آزادی واصلاح کے جب آتے ہین اذکار تقلید ہو یورپ کی یہی رہتی ہے گفتار
موجود مگر اِنمین وہ جوہر نہین زنہار مغرب مین جو تہذیب وترقی کے ہین اسرار

وہ حب وطن خون مین یہ شامل نہین رکھتے
گو ولولے رکھتے ہین مگر دل نہین رکھتے

تھے خطۂ یورپ مین جو اصلاح کے بانی آزادی قومی پہ لہو کر گئے پانی ؏
مُرجھا گئے کتنے ہی گُل باغِ جوانی اِس نخل سے پر دُور رہا رنگ خزانی

عبرت کے مرقعے وہ عجب کھینچ گئے ہین
ہان اپنے لہو سے یہ شجر سینچ گئے ہین

تھے یکّہ وتنہا پہ ہزارون کو نہ سمجھا عشقِ گل مقصود مین خارون کو نہ سمجھا
سر کٹ گئے تلوارونکی دھارونکو نہ سمجھا جل جل گئے شعلون کو شرارونکو نہ سمجھا

بد کیش نمود انکی مٹا اب نہین سکتے
وہ آگ لگی ہے کہ بُجھا اب نہین سکتے

بالعکس یہان قوم کی ہمت مین ہے پستی وہ مرد کہان ہیچ سمجھتے ہین جو ہستی
یہ جوش فقط جہل وتکبر کی ہے مستی اصلاح کے پردے مین ہے بس نفس پرستی

آثار دلون مین ہین کہان درد نہان کے
دکھلاتے ہین جوہر یہ فقط سیف زبان کے

دکھلاتی ہے بس سیف زبان جوہر عالی لاریب صدا دیتا ہے جو ظرف ہے خالی
اصلاح کی تقلید ہے اک امر خیالی جب بانی اصلاح ہو خود صنیغم قالی

گر حسن نہین عشق بھی پیدا نہین ہوتا
بلبل گل تصویر پہ شیدا نہین ہوتا

شکوہ تو یہ ہے قوم کی برگشتہ ہے تقدیر چلتی نہین اصلا کوئی اصلاح کی تدبیر
لیکن جو ہین خودداری وخود بینی کے خوگیر اُن لوگون کی گفتار مین کسطرح ہو تاثیر

جو خود نہین سرگرم کریگا وہ بشر کیا
جب دل مین نہین در زبان مین ہو اثر کیا

سودائے محبت مین انھین کے نہین خامی خود بینی سے خالی نہین مذہب کے بھی حامی

ہے نفس کی منظور حقیقت مین غلامی عرفان کی خبر لاتی ہو گو طبع گرامی
کچھ قوم کی پروا ہے نہ فکر کہ و مہ ہے
ہو جائے نجات اپنی تمنا ہے تو یہ ہے
دعویٰ ہے کہ ہم مالکِ فردوسِ برین ہین عالم کے دکھانے کے لیے خاک نشین ہین
گویا کہ یہی راز الٰہی کے امین ہین دُنیا کی ترقی پہ سدا چین بہ جبین ہین
جو اور ہین وہ معرفت حق سے جُدا ہین
بس ایک یہی بندۂ مقبول خدا ہین
ہمدردی قومی سے انھین آئے نہ کیون عار انسان کی محبت کو سمجھتے ہین یہ آزار
دُنیا کے فرائض سے نہین انکو سروکار رہتے ہین سدا فکر مین عقبےٰ کی گرفتار
یون جادۂ تسلیم و رضا مل نہین سکتا
انھین وہ خودی ہے کہ خدا مل نہین سکتا
کرتے ہین وہ اخلاق سے مذہب کو سُبکبار کچھ اور ہی طینت کے ہین پیران نکوکار
اور کرتے ہین تلقین پہ سبکو سرِ بازار کہنے کو تو ہین دین کے حامی و مددگار
قائم نہ رہو بہرِ خدا صدق بیان پر
جو دل مین تمہارے ہو وہ لاؤ نہ زبان پر
مذہب یہی انکا ہے یہی حب وطن ہے منظور انھین پیروی عہدِ کہن ہے
ایمان کے پردے مین فقط پاس سخن ہے کوشش ہر کوئی نیک نہ تدبیر حسن ہے
اِن لوگون کو دُنیا کی ستائش سے غرض ہو
مذہب نہ ہو مذہب کی نمائش سے غرض ہو
یہ طرز عمل قابل تحسین نہین زنہار لیکن نہین اخلاق سے کچھ انکو سروکار
ظاہر کی نمائش سے وہ ہوتا نہین دیندار باطن مین جب انسان کے اچھے نہین کردار
دل صورت آئینہ جو روشن نہین ہوتا
زنار پہننے سے برہمن نہین ہوتا
کانٹا ہے جدا ہو جو نزاکت گل تر سے مردہ ہے روان روح ہو گر جسم بشر سے
آئینہ بے آب اُترتا ہے نظر سے ہے مثل خزف دور صفا ہو جو گہر سے

مذہب بجز اخلاق روا ہو نہیں سکتا
معنی سے کبھی لفظ جدا ہو نہیں سکتا

ہشیار ہو اے قوم یہ غفلت نہیں اچھی
یہ خیرگیِ نشۂ دولت نہیں اچھی
معزولیِ آئینِ شرافت نہیں اچھی
یہ دشمنیِ اخلاق شریعت نہیں اچھی
مانا شبِ ادبار کا ہر سمت اثر ہے
گر خواب سے بیدار رہو اب بھی تو سحر ہے

ہاں ابرِ کرم سے چمنِ قوم ہو شاداب
واللہ یہی حسنِ شرافت کا ہے آداب
حیوان بھی یوں رکھتے ہیں سب شغلِ خور و خواب
تہذیب کا آئین ہے دلسوزیِ احباب
محروم اسی خلق سے حیوان ہوا ہے
انسان اسی بات سے انسان ہوا ہے

خالق نے دیے ہیں جنھیں اوصافِ حمیدہ
ہوش ان کے ہوں نشۂ نخوت سے پریدہ
للہ کریں قوم سے دامن نہ کشیدہ
لاتی نہیں پھل پھول کبھی شاخِ بریدہ
احباب کی خدمت کو بشر کھو نہیں سکتا
ناخن سے کبھی گوشت جدا ہو نہیں سکتا

واجب نہیں مذہب کے مسائل میں بھی حجت
بازیچۂ اطفال ہیں ہفتاد و دو ملت
بس قابلِ تسلیم اسی کی ہے شریعت
جس دل میں ہو انسان کے لیے دردِ محبت
تہذیبِ پسندیدۂ آفاق یہی ہے
مذہب بھی حقیقت میں یہ اخلاق ہی ہے

برج نرائن چکبست لکھنوی

کہنے سننے کی گرم بازاری ہے
مشکل ہے اثر کرے پہ اسکے دل میں
ایسا سنیے کہ کہنے والا ابھرے
ایسی کہیے کہ بیٹھ جائے دل میں

زمانہ جولائی و اگست ۱۹۰۴ء

اکبر

نار! تو نور کبریائی ہے — تیری دلسوختہ خدائی ہے
تو نے پایا ہے حسنِ عالم سوز — تیرا نورِ جمال دل افروز
عہد طفلی ہے تیرا سرما مین — عنفوانِ شباب گرما مین
کیسا پیارا ترا لڑکپن ہے — رشک خورشید روے روشن ہی
چشم بد دور تو عزیز جہان — پیار کرتے ہین طفل و پیر و جوان
بل بے عہدِ شباب کی گرمی — سرد ہے آفتاب کی گرمی
طرز معشوق تند خو کا ہے — سر بسر شعلہ ہے بھبوکا ہے

جان و دل سے تری طلبگاری
تیری دُنیا مین گرم بازاری

تیرے دیکھے عجب عجب انداز — عشقبازی مین تو ہی سوز و گداز
قلب عشاق مین نہان ہے تو — اشک بنکر شرر فشان ہے تو
تو محبت ہے سینہ و دل مین — اضطرابی ہے روح بسمل مین
سرد آہون مین گرمیان تیری — گرمجوشی مین زمیان تیری
تیرا جلوہ ہے آتشِ گل مین — سوز ہے نالہاے بُلبل مین
تو پسینہ ہے روے تابان پر — شبنم افشان ہے تو گلستان پر
ابر مین برق بیقرار ہے تو — سینۂ سنگ مین شرار ہے تو
جوش ہے تیرا ساغر مُل مین — تو چھپی ہے خروشِ قلقل مین
تجھسے خالی نہین ہی کوئی ساز — ہے جگر سوز شعلۂ آواز
او ستمگر بھری تھی تو نے مین — جل اُٹھی جان ایک ہی لے مین

تھرڈھاتی ہے جان پر آتش | تو ہی رکھتی ہے نعل در آتش

سوز فرقت ہی تو۔ تپِ غم ہے | تجھسے داغِ جگر جہنم ہے

تھا تری شوخیوں کا دیوانہ | شمع پر جل بُجھا ہے پروانہ

تیرا جلوہ غضب کا ہی بیباک

کر دیا طور کو جلا کر خاک

تو نہاں ہے وجود امکاں مین | ہر نبات و جماد و حیوان مین

تو عناصر مین ہی وہ عنصر پاک | کہ نہو جسم مین تو جسم ہی خاک

تو لطافت سے روح مین پنہان | آمد و شد نفس کی تجھسے عیان

تجھسے چلتی ہے نبض کی رفتار | جسپہ قائم حیات کے آثار

تو ہی کرتی ہے انہضامِ غذا | انحصار اُسپہ تندرستی کا

تیرے افعال سے ہوا ہے یقین

تیرے ہی دم سے چلتی ہے یہ مشین

کون ہمسر ہے تیری طاقت کا | طنطنہ ہے ترا قیامت کا

تو بنائے زمین ہلا ڈالے | آسمان کے دھوئین اُڑا ڈالے

کوہ۔ آتش فشاں کیے تو نے | اپنے قائم نشان کیے تو نے

اپنا جوہر اگر دکھائے تو

ہست کو نیست کر دکھائے تو

وہ اُٹھائے سمندروں سے بخار | چھائے گلشن پہ بنکے ابر بہار

تو نے اوپر پھر اُن کو گرمایا | تب ہوا نے زمین پہ برسایا

پا کے روئیدگی مین تجھسے مدد | بن گیا تخم نخل طوبےٰ قد

تو نے بخشی ہے ہر ثمر کو مٹھاس

پختگی۔ رنگ۔ دلربا بُو باس

تو نے کھانون مین لذتین بخشین | واجب الشکر نعمتین بخشین

تیرے ممنون میزبان مہمان | تجھسے آراستہ ہین دسترخوان

تو ہی ہے ایک۔ ذات مین اعلےٰ

کھاتے ہین سب ترا پکایا ہوا

تیرے کشتہ ہین جتنے معدنیات | تو نے پھونکی ہوا مین روحِ حیات
ہے مہوس ہمیشہ خاک بسر | جب سنا ایک آنچ کی ہے کسر
تو لگی لپٹی کسکی رکھتی ہے | صاف کھوٹا کھرا پرکھتی ہے

پاک بے لوث۔ باصفا ہے تو
سنگ مین لعلِ بے بہا ہے تو

جلوہ دیکھا ترا وہ ہوشربا | غش مین ابتک ہین حضرتِ موسا
تو نے دکھلایا رنگ باغ وبہار | بنگئی تو خلیل پر گلزار
کیون نہ دست کلیم ہو طرفا | تجھسے ہاتھ آیا ہے یدِ بیضا
دیر وکعبہ مین شمع جلوہ فگن | تیرے رخ سے خدا کا گھر روشن
جوگی آسن جمائے بیٹھے ہین | تیری دھونی رمائے بیٹھے ہین
جگ مین تو ہے واجب التعظیم | تیری عظمت پہ خم سرِ تسلیم
تیری تقدیس پر ہو کیا حجت | تو ہے سیتا کی شاہدِ عصمت

پوچھ زرتشتیون سے کیا ہے تو
دین وایمان ہے خدا ہے تو

دانہ بے ابر تر اُگا تجھ سے | ہے عیان قدرتِ خدا تجھسے
تجھسے ہوتے تھے پیشتر انصاف | بیگنا ہون کی تھی برأت صاف
گرم رکھ رکھکے ہاتھ پر گولے | جھوٹے سچونکے جھوٹ سچ کھولے

منزلت تھی تری عدالت مین
کارآمد تھی تو سیاست مین

دم قیامت کا بھر رہی ہے تو | جنگ مین کام کر رہی ہے تو
تو ہے توپ وتفنگ مین پنہان | گرمیِ کارزار تجھسے عیان
گرمیِ زور ہے کمان مین تو | آب ہو تیغ جانستان مین تو

بان تیرے غضب تھے آفت تھے
ناوکِ آتشین قیامت تھے

چند روزہ ہوا اس جہان مین قیام — تیرے ہاتھون ہے ایکدن انجام
کر کے تفریق آب و خاک و باد — ایکدم مین مٹانے کی بنیاد
آشنا و یگانہ زار و ملول — چُنکے لیجائین گے شرر کے پھول

تجھ مین اعجاز کیمیائی ہے
سب مین تو تجھ مین اک خدائی ہے

شرر سہارنپوری

مقبرۂ اکبر

قبرِ اکبر پہ کل گذر جو ہوا — بولی عبرت کہ آئیے حضرت
کیا کہون میرے دلپہ کیا گذری — دیکھی جب بادشاہ کی تربت
ہُو کا عالم عجیب سناٹا — مقبرہ تھا نمونۂ وحشت
در و دیوار سے نمایان تھی — تا درِ بے نیاز کی قدرت
دل مین کہنے لگا خدا کی شان — کیا ہوئی آج ہیبت و شوکت
یہ وہی بادشاہ اکبر ہے — جسکی شاہی تھی خلق کو رحمت
جسنے تالیف کی ہر اک دل کی — کھوئی غیرونکے دل سے غیریت
عہد مین جسکے تھی ہنود کی بھی — اہل اسلام کی طرح وقعت
کر دیے جس نے ایک حکمت سے — مختلف تھے جو مذہب و ملت
جسکو کہتے تھے اکبر اعظم — تھی عیان جسکے نام سے ہیبت
ہے وہی زیر خاک دفن افسوس — جس سے تھی تاج و تخت کی زینت
موت کی نیند آج سوتا ہے — وہ شہنشاہ صاحبِ ثروت
ملک کے انتظام مین جسکو — نیند آتی نہ تھی کسی ساعت
ہائے یہ سین تھا قیامت کا — میرے دلکی ہوئی عجب حالت
تھام کر دل کو خوب رویا مین — صبح سے شام تک رہی رقت

سچ ہے دُنیا سرائے فانی ہے
سچ ہے دُنیا ہے عالمِ عبرت

حسن قادری

Raja Rammohan Ray.

KUNTALINE PRESS, CALCUTTA.